صوفی ازم اور علم وادب کا بے باک ترجمان
RAHBARE NOOR
QUARTERLY URDU

अंक 16
شمارہ ۱۶

वर्ष 05
جلد نمبر ۵

سہ ماہی رہبر نور

مکنپور شریف

رجب شعبان رمضان
۱۴۴۵ھ
سلسلہ اشاعت کا پانچواں سال

Jan. Feb. March 2024

یارِ غار مصطفیٰ خلیفہ اول حضرت
صدیق اکبر رض

سائنس اور قرآن ایک تحقیقی مضمون

ہندوستان میں قطب المدار کے خلفاء کرام

ایک عظیم حادثہ جو عبرتناک واقعہ بن گیا

ام المصائب زینب دلگیر
پرسوز اور عبرت ناک داستان

سیدہ طیبہ طاہرہ خاتون جنت
فاطمۃ الزہرہ سلام اللہ علیہا

ولی کامل حضوری شاہ رح
ایک تاریخی اور تحقیقی دستاویز

تاریخ مکن پور شریف
اور
مشائخ سلسلہ عالیہ مداریہ

Rs.60/-

ابوالمشرب سید مقتدا حسین جعفری دارالنور مکن پور شریف کانپور (انڈیا)

This PDF Download from Madaarimedia.Com

MADAARI MEDIA
The Silsila e Aaliya Madaariya Social Platform

سلسلۂ مداریہ کے بزرگوں کی سیرت و سوانح
سلسلۂ عالیہ مداریہ سے متعلق کتابیں
سلسلۂ مداریہ کے علماء کے مضامین تحریرات
سلسلۂ مداریہ کے شعراء اکرام کے کلام

حاصل کرنے کے لئے اس ویب سائیٹ پر جائیے

www.MadaariMedia.com

@MadaariMedia
@MadaariMedia
@MadaariMedia
@MadaariMedia

Authority : Ghulam Farid Haidari Madaari

Www.MadaariMedia.Com

مداریہ کتب خانہ
واٹسپ گروپ

بفیض روحانی۔ شہنشاہ ولایت سیّد بدیع الدّین احمد قطب المدار مدار العالمین رضی اللہ عنہ

بیادگار الحاج ڈاکٹر سیّد مرتضیٰ حسین رہبر والحاجہ سیّدہ نور النہار فاطمہ علیہما الرحمۃ والرضوان

سہ ماہی رہبر نور مکن پور شریف

رجب ۱۴۴۵ھ شعبان رمضان
Jan, Feb, March 2024

QUARTERLY
RAHBARE NOOR
URDU

مجلس کرم نواز

الحاج ڈاکٹر سید مرغوب عالم طیفوری مداری، الحاج سید عظیم الباقی ارغونی مداری، الحاج مولانا سید نور الاخیار بدیعی حلبی، الحاج قاری سید محضر علی وقاری مداری، الحاج مولانا سید مجیب الباقی ارغونی مداری، صوفی سید مسرت حسین قنصوری، الحاج سید اختیار احمد ارغونی مداری، خواجہ سید مصباح المراد ارغونی مداری، مولانا سید شہرت حسین ارغونی مداری، ڈاکٹر سید انتخاب عالم مرغوبی مداری،

مجلس مشاورت

مولانا سیّد انتخاب عالم ارغونی
مولانا سیّد محمد توثیق قنصوری
سیّد موجود عالم محبوبی مداری
مولانا سیّد اظہر علی منظری وقاری
الحاج سید سید الانوار طیفوری مداری
مولانا سیّد ظفر مجیب ارغونی
مفتی ابو الحماد محمد اسرافیل حیدری
مفتی الشاہ غلام یحییٰ مصباحی وقاری بلرام پور
مفتی خوشنود خاں مشربی مداری بریلی
مفتی شاہد رضا مشربی مداری بریلی
و عزت مآب مشائخ مکن پور شریف

مجلس ادارت

چیف ایڈیٹر
ابو المشرب سیّد مقتدا حسین جعفری

مینیجنگ ایڈیٹر
ڈاکٹر سیّد اقتدا حسین جعفری عامر

ایڈیٹر
مفتی سیّد نثار حسین جعفری مداری

جوائنٹ ایڈیٹر
مولانا سیّد ازبر علی مداری

سرکلیشن مینیجر
سیّد شعب غازی مداری
و
سیّد قمر حسین جعفری

OWNER
PRINTER &
PUBLISHER
MUQTIDA HUSAIN
JAFRI
BY PRINTED -
INSHA PRINTERS
91/4 HIRA MAN
PURWA, KANPUR
&
PUBLISHED
FROM-VILL.
&
POST. MAKANPUR
KANPUR

स्वामी, प्रकाशक एवं मुद्रक- मुक़तिदा हुसैन जाफ़री ने इंशा प्रिन्टर्स 91/4- हीरामन पुरवा कानपुर से छपवाकर सम्पादक- मुक़तिदा हुसैन जाफ़री ने कार्यालयरहबरे नूर मकनपुर शरीफ़ कानपुर से जारी किया।

ALL DISPUTED
MATER IN VALID
KANPUR
JURISDICTION

ایڈیٹر، پبلشر و پرنٹر مقتدا حسین جعفری نے انشاء پرنٹرس 91/4 ہیرامن کا پوروہ، کانپور سے چھپوا کر دفتر رہبر نور مکن پور شریف سے جاری کیا۔

رسالہ میں شائع ہونے والے مضامین آپ کی معلومات میں اضافہ کریں گے لیکن مضمون نگار کی رائے سے ادارے کا اتفاق رائے ہونا ضروری نہیں ہے

اس شمارے میں

نمبر شمار	مضامین	تحریر	صفحہ نمبر
1	اداریہ	چیف ایڈیٹر	3
2	سائنس اور قرآن الکریم	شیخ محمد علی فتح پور سیکری	4
3	سیدہ طیبہ طاہرہ حضرت فاطمۃ الزہرہ سلام اللہ علیہا	از۔سید محمد ریاست علی گوندیا مہاراشٹر	12
4	خلیفہ اوّل حضرت صدیق اکبرؓ اور مسئلہ ختم نبوت	علامہ رحیم بخش، دہلی	15
5	حضور سیدنا جنید بغدادیؒ	مولانا سہیل احمد دہلی	22
6	حضرت زینب دلگیر سلام اللہ علیہا		27
7	"طیر اًابابیل"	مختار احمد کاشف (ماخوذ)	41
8	جب غلاف کعبہ کو آگ کے حوالے کردیا گیا	(مختار احمد حیدر آبادی کے قلم سے)	50
9	ابن خلدون کی تحقیقی تحریر پر اسرار علوم (ماخوذ)		55
10	حضرت امان اللہ حضوری شاہؒ	الحاج ڈاکٹر سید مقتدا حسین جعفری خادم۔خانقاہ عالیہ مداریہ مکن پور شریف	61

This PDF Download from Madaarimedia.Com

اداریہ

آیئے ہم مل کر وقت کے ملّی تقاضوں کو پورا کریں

باہمی نفرتوں کی آندھیوں نے ہمارے سماجی اور ملی چراغوں کی لو کو مدھم کر دیا ہے، اقتدار پسندی اور عزت طلبی کے جذبہ نے اسلامی شعور کے تانے بانے کو تار تار کر کے رکھ دیا ہے۔ ایسا لگنے لگا ہے کہ ہماری حیثیت سچی روایات کے مطابق سمندر کے اس جھاگ جیسی ہوگئی ہے جن کا وجود تو ہے مگر بے ضرورت اور بے حیثیت سا ہے۔ فکر کا مقام یہ ہے کہ ہم نے مجاہدانہ زندگی جینے والے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے کردار و عمل اور ان کے مقصد حیات سے چشم پوشی کر لی ہے جس سے ہماری مادی طاقتوں نے دم توڑ دیا ہے۔ دوسری طرف ہم نے اہل بیت اطہار اور اکابرین بزرگوں کے ان نقوش قدم کو بھی پامال کر دیا ہے جو ہمیں روحانی قوت وطاقت اور ایمانی جذبہ حرارت سے فیضیاب رکھتے تھے۔

صداقت، عدالت، سخاوت اور شجاعت کے علمبرداروں کی حیات و ممات، ان کے طرز عمل اور ان کی کارگزاریوں پر تبصروں اور بحث و مباحثوں کی محفلیں تو ہم سجائے ہیں لیکن آنے والے وقت کے تقاضوں کے تحت اپنی نسلوں کو حقیقت شناسی سے دور کرتے جا رہے ہیں۔ امت کے مسلک و مذہب سلاسل کے فروعی اختلافات، مختلف مکاتب فکر کے الجھے ہوئے نظریات ہمارے ملی تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتے ہیں۔ ہم کو حیدر کرار کی شجاعت اور کربلائے معلّی کی قربانیوں کو بھی یاد رکھنا ہوگا۔

سلسلۂ عالیہ مداریہ کی تابناک تاریخ اور اس کی سچائیاں آپ کو آواز دے رہی ہیں کہ اپنی خیال آرائی اور فکر انگریزی کے پرچم کو اونچا اٹھاؤ اور ملی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے میدان عمل میں آؤ۔ سلسلہ عالیہ مداریہ کے دامن میں وسعت اور کشادگی ہے اور شہنشاہ اولیائے کبار سید بدیع الدین قطب المدارؒ کی زندہ وجاوید تعلیمات میں صرف باہمی اتحاد واتفاق، محبت و پیار اور خوش اخلاقی کے اصولوں کی جلوہ گری ہے۔ اگر ہم زندہ قوم کا اعزاز باقی رکھنا چاہتے ہیں تو زندہ مدار کی تعلیم پر عمل پیرا رہیں۔

چیف ایڈیٹر

اسلام کا عظیم الشان نظریہ

سائنس اور قرآن الکریم

شیخ محمد علی فتح پور سیکری

یورپ میں آج بھی مذہب کا تصور وہی ہے جو پندرہویں صدی قبل از مسیح میں کتاب موسیٰ یعنی تورات نے قائم کیا تھا۔ انجیل کے نزول تک ان صحائف کی تعداد جو عہد نامہائے قدیم میں شامل ہیں تیس ہوگئی تھی۔ عہد نامہائے جدید میں ستائیس صحیفے شامل ہیں۔ ان دونوں عہد ناموں کے صحائف کی تعداد چھیاسٹھ ہے جو بائبل کے نام سے مشہور ہیں۔ عہد نامۂ قدیم پر ایمان لانے والے یہود کہلاتے ہیں اور عہد نامہ جدید کے پیروکار عیسائی۔ عموماً یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ ابراہیم مذاہب میں کوئی خرابی نہ تھی۔ خرابی اگر تھی تو اس کے مفسروں میں جنہوں نے کفارہ اور ابن اللہ جیسے عقائد کو جزو مذہب بنا کر نامعقولیت کا عنصر ان میں داخل کر دیا تھا۔ چونکہ اسلام بھی ایک مذہب تھا۔ اس لئے سوچے سمجھے بغیر یورپ میں یہ فرض کر لیا گیا کہ یہ ایک شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایجاد کردہ ہے۔ اور اس میں قطعاً کوئی معقولیت نہیں۔ چودہ صدیوں تک یہ صورتِ حال باقی رہی؛ لیکن موجودہ پوپ نے ۱۹۷۴ء میں سعودی عرب کے چند علماء کو اپنے محل ویٹکن میں بلایا۔ اور اسلام وعیسائیت کے درمیان پہلی مرتبہ پروقار گفتگو کا آغاز ہوا۔ بحث کے خاتمے پر پوپ نے ایک اعلامیہ جاری کیا جس میں یہ تسلیم کیا گیا کہ اسلام دین ابراہیم کی ایک شاخ ہے۔ یہ لوگ ایک خدا کے پرستار ہیں اور انسان سے محبت اِن کے بنیادی عقائد میں شامل ہے۔ اور یہ مذہب انسانی ترقی خصوصاً سائنس کا حامل ہے۔

سائنس کیا ہے؟ اشیاء، ان کے خواص اور قوانین حیات معلوم کرنے کے لئے غور وفکر کرنا اور دیکھنے کے لئے تمام قدیم وجدید آلاتِ نظر استعمال کرنا۔ اس نظریہ کے لئے قرآن مقدس نے کئی الفاظ استعمال کئے ہیں مثلاً:

فکر اور اس کے مشتقات ۱۸ مرتبہ

فقہ اور اس کے مشتقات ۲۱ مرتبہ

تدبر اور اس کے مشتقات ۴۴ مرتبہ

عقل اور اس کے مشتقات ۵۱ مرتبہ

نظر اور اس کے مشتقات ۱۳۰ مرتبہ

رائی اور اس کے مشتقات ۱۹۸ مرتبہ

قرآن میں بار بار اس قسم کی ترغیبات سے کام لیا گیا ہے یعنی:۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَدَبَّرُوْنَ

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ

قرآن حکیم عصر رواں کے آغاز میں نازل ہوا تھا۔ اور یہ زمانہ سائنس کا ہے۔ اس لئے قرآن نے فکر و تدبر پر بہت زور دیا ہے۔ بلکہ بعض ایسے حقائق بیان کر دیئے ہیں جو تازہ سائنسی انکشافات کی مدد کے بغیر سمجھ ہی میں نہیں آتے مثلاً:

(۱) امریکہ کے فلک شناسوں نے کہا ہے کہ ہماری کہکشاں کی طرح ایک ارب کہکشائیں اور ہیں۔ ہر ایک میں کم از کم ایک ارب ستارے ہیں۔ ہر کہکشاں دوری سے دور بھاگ رہی ہے اور اس خلا میں اِک نئی کہکشاں تشکیل پا رہی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کائنات میں توسیع ہو رہی ہے اور یہ پھیل رہی ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

''ہم نے آسمان کو اپنے ہاتھوں سے بنایا اور ہم اس میں وسعت پیدا کریں گے۔''

(ذاریات: ۴۷)

(۲) ماہرینِ ارضیات کی تحقیق یہ ہے کہ آغاز میں جب زمین سورج سے الگ ہوئی تو اس کا درجۂ حرارت وہی تھا جو سورج کا ہے بعد میں یہ اوپر سے ٹھنڈی ہو کر سکڑنے لگی اور سکڑتی چلی جارہی ہے۔ آج بھی اگر کسی زلزلے سے بطن زمین کا لاوا باہر آتا ہے تو اس کا درجۂ حرارت تقریباً وہی ہوتا ہے جو سورج کا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد حیات میں زمین کے سکڑنے کا تصور مکہ میں تو کیا دنیا کے کسی حصے میں موجود نہ تھا۔ بایں ہمہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کے سکڑنے کا اعلان کیا ہے تو اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز ہی کہہ سکتے ہیں۔

''کیا وہ دیکھتے نہیں کہ ہم زمین کو اطراف سے سکڑتے ہوئے لا رہے ہیں۔''

(انبیاء: ۴۴)

(۳) ارض و سما کی تخلیق کے سلسلہ میں حکمائے مغرب کا خیال یہ ہے کہ شروع میں ارض و سما کا ہیولیٰ گڈ مڈ تھا۔ پھر ایک دھماکے سے یہ پھٹا، یہ ٹکڑہ خلا میں سیارہ بن کر گھومنے لگا۔

''پھر اللہ نے آسمان بنانے کا ارادہ کیا۔ اور وہاں صرف دھواں ہی دھواں تھا۔''

(السجدہ: ۱۱)

''کیا یہ کافر اتنا بھی نہیں دیکھتے کہ شروع میں زمین و آسمان کا ہیولیٰ ایک تھا۔ پھر ہم نے دھماکے سے اسے الگ الگ کیا۔ اور کل زندگی کا آغاز پانی سے ہوا۔'' (انبیاء: ۳۰)

آغازِ حیات کے متعلق ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ سورج لاکھوں سال تک سمندری دلدلوں پر چمکتا رہا۔ بالآخر وہاں کیچڑ میں ایک مہین سا صرف ایک خلئے کا جانور پیدا ہو گیا۔ جسے کیچڑ کا بچہ کہنا غلط نہ ہوگا۔ چونکہ یہ صرف ایک خلئے (CELL) کا تھا۔ اس لئے وہ ہر لحاظ سے ایک (واحدہ) تھا۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوا ہے:

''ہم نے انسان کو دلدل (طین) کے بچے سے پیدا کیا اور اسے کچھ وقت کے لئے ایک محفوظ مقام میں رکھا۔ پھر ہم نے نطفے کو لوتھڑا اور لوتھڑے کو بوٹی بنایا۔ ہم نے بوٹی میں ہڈی پیدا کی۔ ہڈیوں پہ گوشت چڑھایا۔ اور انسان کو ایک نئے رنگ میں باہر لائے۔ بے شک اللہ ایک مبارک مخلوق ہے''۔

(مومنون: ۱۲ تا ۱۴)

''اے لوگو! تم اس رب سے ڈرو جس نے تم کو نفس واحدہ سے پیدا کیا۔'' (النساء: ۱۱)

ظاہر ہے کہ نفس واحدہ جو" ہر لحاظ سے ایک" ہے۔ اس سے مراد ایک خلیہ (CELL) ہی ہوسکتا ہے جو سمندری دلدل میں پیدا ہوا۔

بعض صفات انسان میں زندگی کے آغاز پیدا کرتی ہیں مثلاً عدل، عبادت اور علم۔ اور کچھ موت طاری کر دیتی ہیں مثلاً بدکاری، بادہ نوشی، عیاشی، قمار بازی وغیرہ دنیا میں وہی افراد و اقوام زندہ رہتی ہیں جو صفات بقا سے آراستہ ہوں۔ اور دیگر تمام اقوام مرجاتی ہیں۔ آج اس فلسفہ سے کالج کا ایک کم سن بچہ بھی آشنا ہے۔ لیکن ڈارون (۱۸۸۲ء) اور سپنر (۱۸۲۰۔۱۹۰۳ء) سے پہلے شاید ہی کوئی عالم اس نظریہ سے واقف ہو۔ ہمیں یقیناً یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوتی ہے کہ سپنسر سے ساڑھے بارہ سو سال پہلے قرآن حکیم نے اس فلسفے کو نہایت واضح الفاظ میں پیش فرمایا تھا۔ ارشاد ہوتا ہے:

"وہ اکیلا سب پر غالب ہے۔ اس نے آسمان سے پانی برسایا اس سے ندیاں اور وادیاں بھر گئیں۔ جھاگ سطح پر ابھر آیا۔ جب دھاتوں کو زیور یا کوئی اور چیز بنانے کے لئے آگ میں ڈالتے ہیں تو اسی طرح جھاگ اٹھتا ہے۔ حق و باطل کو واضح کرنے کے لئے ہم اس قسم کی مثالیں دیتے ہیں۔ سو جھاگ بے کار چلا جاتا ہے اور جو چیز لوگوں کو فائدہ پہنچاتی ہے وہ باقی رہتی ہے۔"

(رعد:۱۷)

ہمارا مشاہدہ یہی ہے کہ تمام وہ عہد قبل اور تاریخ کے مہیب ہاتھی، گینڈے اور نہنگ جن کا وجود بیکار ہو گیا مٹ گئے اور دودھیلے جانور، بار برداری کے چوپائے مثلاً گدھا، گھوڑا، اونٹ وغیرہ باقی ہیں اور باقی رہیں گے۔

یہ داستان بہت طویل ہے۔ اس پر کئی درجن کتابیں اب اردو میں نکل آئی ہیں۔ اسے ختم کرنے سے پہلے مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ جس زمین پر ہم رہتے اور جس ہوا میں سانس لیتے ہیں اس کی حیرت انگیز ماہیت سے نا آشنائی جہالت کی انتہا ہے۔ ہمارے ہاں علم کا تصور قطعاً مسخ ہو چکا ہے۔ خدا کو ماننا اور اس کی کائنات سے جاہل رہنا یوں ہے جیسے اقبال کو ایک عظیم شاعر تسلیم کرنا لیکن اس کے کلام کو نہ پڑھنا۔ اللہ ایک بے نظیر آرٹسٹ ہے اس کا آرٹ صحراؤں، وادیوں، چمنستانوں، فضاؤں اور خلاؤں میں بکھرا پڑا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا ہے:

"زمین و آسمان کی تخلیق، لیل ونہار کے اختلاف دریاؤں میں تیرنے والی سود مند کشتیوں، آسمان سے برسنے والے پانی میں جو مردہ زمین میں پھر جان ڈال دیتا ہے اور جس کے فیض سے زمین جانوروں سے بھر جاتی ہے ہواؤں کی گردش اور ارض وسما کے درمیان گھٹاؤں کے رقص میں ارباب دانش کے لئے کچھ اسباق موجود ہیں۔"

(بقرہ:۱۶۴)

اس آرٹ پردرس طلب نگاہ نہ ڈالنا اپنی موت کا سامان کرنا ہے۔ وقت آ گیا ہے کہ ہم سائنس کو جز و مذہب سمجھ کر اس کا مطالعہ کریں۔ (ڈاکٹر غلام جیلانی برق)

سائنس لفظی ومعنوی اعتبار سے "علم" کی جانب اشارہ کناں ہے۔ بالفاظ دیگر "علم" اور سائنس ایک ہی شے کے دو مختلف نام ہیں۔ اور یہ اصطلاح ایک دوسرے کے متبادل عموماً استعمال ہوتی رہتی ہے لیکن اب یہ لفظ خاص علوم کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جن میں فطری مظاہر اور قدرتی

واقعات کا ترتیب و تنظیم کے ساتھ با قاعدہ اور باضابطہ مطالعہ ومشاہدہ کیا جاتا ہے اور اس طرح چند ایسے اصول اخذ کئے جاتے ہیں جو عام طور پر تمام واقعات ومشاہدات پر حاوی ہوتے ہیں۔

قرآن نے لفظ سائنس کے لئے ''علم'' اور ''حکمت'' کی اصطلاح کو مروج کیا ہے جس کا سبب صرف یہ ہے کہ اسے عربی زبان میں عالم انسانیت کے لئے اتارا گیا۔

علم اور سائنس میں معنوی اعتبار سے کوئی خلیج وتقابل وابستہ نہیں۔ اور یہ ایک ہی تعریف وتوضیح کو جنم دیتے ہیں۔ اس لئے ہم دوران بحث دنوں کا تذکرہ ہمراہ کرنے پر مجبور ہیں۔ سائنس کا تعلق نوع انسان کی حیات سے بالکل ایسا ہی ہے جیسا ایک جسم کا روح سے روح ماورائی ضرور ہے لیکن اس کی عدم موجودگی سے حیات منتشر ومفقود دکھائی پڑتی ہے۔

سائنس کا تصور، سائنسدان کے بغیر محال ہے بالکل اسی طرح جیسے ''مخلوق'' کے تصور کی سرحدیں ''خالق'' کے بغیر لامحدود نظر آتی ہیں۔ سائنس دان ہر وہ انسان ہے جو اپنی عقل وفراست فکر وتدبر، دانش مندی دور بین نگاہی اور وسیع القلبی کے بل بوتے پر کائنات کے مطالعہ ومشاہدہ گہری اوروجدانی کیفیت کے ہمراہ کرتا ہے۔ اور کیوں نہ کرے۔۔۔؟ فہم وادراک کی روشنی میں شمع وبصر کو کام میں لانے کی ترغیب بھی تو خدا نے نہایت واضح اور روشن الفاظ میں پیش کی ہے۔ یہ ہدایت بھی ہے تلقین بھی اور فکر وتدبر، فہم وادراک کی راہ سے ہٹ کر چلنے والوں کے لئے سزا کا عبرتناک پیغام بھی۔

''اور ہم نے بہت سے جن اور انسان دوزخ
کے لئے پیدا کئے ہیں۔ یہ روش فکری تنزل جو
ایسے دل رکھتے ہیں جن سے نہیں سمجھتے،
جو ایسی آنکھیں رکھتے ہیں جن سے قوت
بصری کو کام میں نہیں لایا جاتا اور جن کے کان
ایسے ہیں جو سماعت حق کے لئے بیکار ہیں۔
ایسے لوگ چوپایوں کی مانند ہیں بلکہ گمراہ
ہونے کے ساتھ ساتھ غافل بھی ہیں۔''

(الاعراف:۱۷۹)

خدا کی وسیع وعریض اور لامحدود کائنات میں ایک فہم وادراک، فکر وتدبر اور احساس وشعور کے باسی کو قوانین فطرت کی عقدہ کشائی اور تسخیر کائنات کی خاطر چار مرحلات طے کرنے ہوتے ہیں جن کی درجہ بندی کچھ اس طرح کی جاسکتی ہے۔

۱۔ تجربہ
۲۔ مشاہدہ
۳۔ نتائج
۴۔ نتائج کی ترتیب وتنظیم۔

یہ فکر انسانی کے لئے وہ مبدے وذرائع وماخذ ہیں جن سے علم وسائنس اور ارتقائے انسانی کے سوتے پھوٹتے ہیں ہیں اور فکر ایسی وسیع وعریض گھاٹیوں میں مصروف جستجو دکھائی دیتی ہے جس کا تصور آج سے صدیوں پہلے محال تھا۔

مشہور مورخ سائنس جاج سارٹن کے ذہن میں بھی وہی مغربی متعصب ذہن کام کررہا تھا جو ہمیشہ سائنس ومذہب کے درمیان تناقص وتضاد کا جائزہ لتارہا ہے اور اس خلیج کی پختگی میں نمایاں کردار ادا کرتا رہا ہے اس کے خیالات اس ضمن میں کچھ یوں ہیں۔

''حقیقت میں علم اور مذہب دونوں کے حدود
الگ الگ اور جدا ہیں۔ علم عبارت ہے
معقولات کے اتساق وارتباط اور باقاعدہ
استعمال سے اور مذہب کے معنی ہیں۔ عقل کا

معقول نہ کہ غیر معقول تعطل ان مسائل میں جو علم کی گرفت سے آزاد ہیں۔"

یہ صرف ان مرخین ور مستشرقین اور ماہرین علم ہی کا بیان نہیں جنہوں نے مذہب پر بغیر کسی مطالعہ وتحقیق کے بحث کی اور دیگر سیکڑوں مغربی اذہان کی مانند لاحاصل فکر انگریزی کو فروغ دیا بلکہ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ اہل اسلام میں بھی اکثریت ایسے نفوس کی ہے جو علم ومذہب کو جداگانہ رنگ دیتے ہیں حالانکہ اسلام نے سائنسی علوم کی اہمیت وافادیت پر اس قدر طوالت ہمہ گیری اور جامع انداز میں روشنی ڈالی ہے کہ فکر انسانی یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتی ہے کہ اسلام اور سائنس کے درمیان رشتہ کی باہمی کشش ایک روح کی مانند ہے۔ ایک ایسی روح کی مانند جو ہمیشہ اپنا رشتہ بدن سے قائم رکھتی ہے۔ بدن کی وجودیت وبقا کا احساس روح کے بغیر ناپید ومحال ہے اور روح کی وجودیت کا احساس بدن کو دیکھ کر ہوا کرتا ہے۔ جب ذہن میں یہ احساس پیدا ہو جائے تو نفس اس حقیقت کو بغیر کسی حیل وحجت کے تسلیم کر لیتا ہے کہ فلسفہ علم تمام تر عروج وکمال کے ساتھ قرآن میں اپنی افادیت وضرورت اور اہمیت کو واضح کرتا ہے اور تشکیل علم کی خاطر نہایت روشن وواضح اشاروں کا انعقاد عمل میں لاتا ہے۔

اسلام نے علم کو دنیا کے تمام تر انسانوں کے لئے اولین اور بنیادی ضرورت قرار دیا اور اس کی اہمیت وفضائل پر مدلل گفتگو کا آغاز کیا۔ بے شک یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ ماسوائے اسلام کے تمام عالمی مذاہب اور علم دو جداگانہ راستے ہیں، جن کی منزل ایک نہیں۔ اگر تاریخ کے اوراق گم گشتہ کو بھی یکجا کیا جائے تب بھی دنیا میں کسی ایسے مذہب یا دین کا وجود نہیں ملے گا جو حصول علم کو تمام عالم انسانیت کے لیے بنیادی ضرورت اور زندگی کے لئے ایک "روح" کی حیثیت قرار دے۔

علم کی بنیاد عقائد سے شروع ہوتی ہے جو خود کائناتی حقائق سے ماخوذ ہوا کرتے ہیں۔ کیا وہ ایک عقیدہ نہیں کہ سائنسدان یہ کہے کہ ارض وسما میں سیکڑوں مختلف النوع سیاروں کی گردش اور مادے کی حرکت، قوانین فطرت کے تحت اثر پذیر ہوتی ہے۔ وہ نہ صرف ہر جگہ یکساں ماہیت کی حامل ہے بلکہ اس کا طریقہ کار اور اس سے پیدا شدہ نتائج بھی ایک سے ہوتے ہیں۔ خواہ وہ کائنات کے کسی حصہ سے متعلق ہوں، علم والوں کا یہ عقیدہ حقیقت کی وہ دلیل اور سچائی کی وہ شمع ہے جسے آج تک کوئی نہ بجھا سکا۔ ممکن ہے کہ یہ آپ کی نظر میں ایک سائنسی نظریہ ہو، لیکن یہ مخصوص سائنسی اصطلاح الفاظ کے معنی ومفہوم کو تبدیل نہیں کر سکتی، چنانچہ ہم ان تمام پہلوؤں پر غور وفکر کے بعد یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ سائنس کی بنیاد وعقائد سے شروع ہوتی ہے کیونکہ یہ وہ فعل ارادی ہے جو ایک علم دان کو تلاش وجستجو پر مجبور کرتا ہے اور خوب سے خوب تر کی جستجو میں اس کے قدموں کو تیزی سے جانب منزل رواں دواں رکھتا ہے۔ یہ وہ اعتقادات ہیں جو قبل تحقیق اس کے دل میں جاگزیں ہوتے ہیں۔ وہ ان کو ثابت نہیں کرتا صرف قبول کرتا ہے یا یہ کہہ لیجئے کہ عقیدہ رکھتا ہے اور ان کی مدد سے تمام سائنسی حقائق کو ثابت کرتا ہے۔

مذہب اور رہبانیت کے مغربی ٹھیکیداروں اور کلیسائی تحریک کے فرماں رواؤں نے سائنس کو فرسودہ وجاہلانہ طور طریق کہہ کر اس کا یوں مضحکہ اڑایا کہ سائنس ایک ہی نظریہ کو مختلف اوقات کرتی ہے اور کبھی باطل اس وجہ سے یہ ہو سکتی۔ لیکن اس عمل کے پس منظر میں جھوٹ کا ادا کرنا نہایت غیر مناسب ہے۔ اس زندگی کی اس ریاکار رو پرفریب شاہراہ کا عیوب پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرنے سے کلیتہً ماخوذ ہے جس کا خالق وہی ہے انسان کو اس کی طرف بھرپور توجہ کا احساس

یہ سائنس دان کی کوشش وجستجو ہے کہ وہ علم کی گہرائی میں اترتا ہے اورنت نئے باب وا کرتا ہے۔ اسی سبب سے ہر نیا سائنس ان پیشرووں کے نظریات کو جانچ کرتا اوران کی خامیوں کودورکرتا ہے۔

ذرااطراف پرنگاہ دوڑایئے تو دنیا کی بیشتر اقوام ایسی نظرآئیں گی جو مادہ کو حقیقت وصداقت تسلیم کرتی ہیں اورابتداءوآخر کادرجہ دیتی ہیں۔درحقیقت یہی وہ اقوام ہیں جو مادہ پرستی کے سبب مذہب اورسائنس میں تفرق وتفاوت کی پیدائش کا سبب ہیں۔لیکن اہل اسلام اللہ کوایک لافانی ولاشریک حقیقت تسلیم کرتے ہیں۔کیوں۔۔۔۔؟یہ ایک کافی طویل بحث ہے جس کے بارے میں یہاں اختصار سے یہ کہنا کافی ہوگا کہ اول تو یہ حکم خداوندی ہے اوردوسرے یہ کہ یہ بنیادی عقیدہ ایک مسلمہ کائناتی حقیقت وصداقت ہے جس سے تمام امورسائنسی وابستہ وپیوستہ ہیں۔

بحیثیت ایک مسلمان کے ہمارے نزدیک تمام سائنسی حقائق وقوانین وہ واضح اصلیت ہیں جو کائنات میں خدا کی تخلیقی،ترتیبی اورتنظیمی اعمال کاثمرہ ہیں۔خداایک ایسی لافانی ولاشریک ہستی ہے جس کے تحت یہ تمام قوانین ومادی افعال سرزد ہوتے ہیں۔چنانچہ ایک سائنس دان غیرشعوری طور پر ان حقائق کوتسلیم کرتا چلاجاتا ہے۔وہ یقین کامل کے ساتھ اس عقیدہ کوروارکھتا ہے کہ کائنات اور مادہ کا خالق ایک ہی ہے، وہ ایسی قدرت وحکمت والی ذات ہے جس کے سبب کائنات کا تمام نظام ایک مستقل مربوط ومنظم شکل میں مصروف عمل ہے۔ قرآن حکیم اس نظامی وکائناتی حالت کوسامنے رکھتے ہوئے اس کے خالق کی نشان دہی نہایت مدلل الفاظ میں کرتا ہے۔

''اے پیغمبرصلی اللہ علیہ وسلم آپ خدا کی تخلیق میں کوئی فرق نہ دیکھیں گے، ذرا اطراف پرنگاہ دوڑایئے اورکائنات کا مشاہدہ کیجئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوخدا کی اس تخلیق میں کبھی کوئی خامی نظرنہ آئے گی۔ پھر اور پھر دیکھئے لیکن نگاہیں مایوس اور درماندہ لوٹ آئیں گی۔ بے شک خدا کی تخلیق میں کوئی خامی نہیں''۔

ابتدائے تحریرمیں اس امرکووضاحت کے ساتھ بار بار بیان کیا جاچکا ہے کہ اسلام وہ واحد عالمگیر مذہب ہے جوعلوم سائنس کی ترقی وترویج اوراس پرتحقیق وجستجو پرزیادہ زور دیتا ہے۔اورصرف یہی نہیں اس نے سیکڑوں ایسے سپوت بھی پیدا کئے جنہوں نے متعین کردہ راہ سفرکرکے اس دھارے کوموڑا اورایک نئے ترقی پذیر وسہل راستے سے مخلوق عالم کونوازا اورآنے والی نسلوں کے لئے اس میں ہزار ہادلچسپ فکریں پیدا کریں جن سے دور جدید کے انسان نے دامن بچاکرگزرنا چاہامگرالجھ گیااور یہی بات ترقی کا پیش خیمہ بن گئی۔یہ وہ دلائل ہیں کہ کسی طرح بھی ہم سائنس اوراسلام کے درمیان جداگانہ رنگ نہیں بھرسکتے اورنہ ہی اس کا تصورکرسکتے ہیں کیونکہ انہیں علیحدہ علیحدہ کرنے کے بعدان دونوں لفظوں کا کوئی مفہوم باقی نہیں رہتا اورنہ ذہن انسانی میں سائنسی کرداراس کی ماہیت اورنہ ہی اس کی ترتیب جسے قوانین فطرت کی اجتماعی ومنظم شکل کہاجاسکتا ہے وجود پذیرہوسکتی ہے۔

عہد حاضر کے مسلمانوں کی اکثریت بھی اسی فکری اساس پراپنی بنیادیں استوار کئے ہوئے ہے جوروح قرآنی کے منافی ہے۔جبکہ مطالعہ قرآن اس امرکی بھرپورنمائندگی کرتا ہے کہ رہبانیت اورترک دنیااللہ کی دی ہوئی ہدایات سے ہٹ کرایک فعل ہے۔جس کا اسلام کے تصورحقیقی اورروح قرآنی سے کوئی واسطہ نہیں اوریہ چیزانسان کی اپنی اختراع ہے۔

''اورانہوں نے رہبانیت کی خود ساختہ راہ
اختیار کرلی ہم نے تو انہیں اس کا حکم نہیں
دیا تھا''۔ (الحدید:۲۷)

یہاں یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ کفر کا ارتکاب ہمیشہ اس حالت میں ہوتا ہے جب علم وآگہی اور قوت مشاہدہ ومطالعہ کا فقدان ہو اور طریق وسائنس مفقود ہو۔

قبل اس کے کہ ہم یہ دیکھیں کہ روح قرآن سائنسی پیش کرتی ہے اگر ہم ان احادیث اور قرآن پر پوری کرتی ہیں اور جن پر واضح روشنی پڑتی ہے مثلاً مرد وعورت پر فرض ہے۔

عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی کہ مجھے فضیلت دی گئی تمام انبیاء اور علماء وارث انبیاء علیہم السلام پر۔

یہ احادیث اس بات کا روشن ومروق ہے کہ اس کے میٹر پڑھنے میں نہیں آرہا ہے

مذکورہ بالا آیت اپنی تفسیر آپ ہے۔ درحقیقت تمام قرآنی آیات اگر دیکھا جائے تو تفسیر کی ضرورت سے مبرا ہیں۔ خدائے لاشریک نے نہایت واضح صاف الفاظ میں انسان کو مخاطب کیا ہے۔ یہ آیت عبادت کے واضح تصور کو پیش کرتی ہے کہ ایمان بنیاد ہے اسلام کی اور جب دولت علم سے نوازا جائے تو یقیناً اس کی ترقی وترویج میں اضافہ وبلندی ناگزیر ہے۔ اور یہی عمل انسان کی بہتر عبادتوں میں سے ہے علم نبوت کا جزو لازمی ہے۔

خود ذات الٰہی تکرار کے ساتھ کتاب مقدس میں علم کی اہمیت وضرورت اور افادیت کے ساتھ اس کے اور بنی نوع انسان کے مابین تعلق کی وضاحت بڑے مبسوط انداز میں کرتی ہے۔ اس ضمن میں اس آیت مقدسہ کا مطالعہ نہایت مؤثر ثابت ہوگا جو حق راستی کے پہلے پیغام کی شکل میں ہدایت بن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔

''پڑھ اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے
انسانوں کو خون کے جمے ہوئے لوتھڑے سے
پیدا کیا۔ آپ پڑھا کیجئے آپ کا رب بڑا
کریم ہے جس نے علم قلم کے ذریعے سکھایا
اور انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دی جن سے
وہ ناواقف تھا''۔ (علق:۱تا۵)

اس موقع پر مشہور مسلمان سائنس دان جابر بن حیان ازدی اور مشہور مسلمان فقیہہ عالم حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی گفتگو کا وہ ٹکڑا جس سے خدا اسلام اور ایک سائنس دان کے باہمی روابط پر اور اسلام میں سائنس کے مقام پر وضاحت سے روشنی پڑتی ہے خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

حضرت امام جعفر صادق: اے جابر ازدی کیا تو اس بات کو باعث فخر سمجھتا ہے کہ کہ تو اسرار خداوندی میں تداخل کا سبب ہے؟

جابر ازدی:۔ میں نے اپنی دانست میں حقیقت کی تلاش کی اور صداقت کا اظہار یہ کیا تاہم اگر آپ میرے اس عمل کو شریعت طیبہ کے خلاف اور اسرار خداوندی میں تداخل کا سبب محسوس کرتے ہیں تو میں آج ہی اس سے دست کش ہوتا ہے۔

امام جعفرؓ:۔ ''نہیں: اے جابر ازدی تو ایسا نہیں کرے گا۔ یہ فضل خداوندی ہے کہ اس نے تجھ پر یہ رازہائے فطرت منکشف کئے۔ تو اس کے متعین کردہ اصولوں کا مسافر ہے اب یہ تیرا فرض ہے کہ تو ان علوم کو جن کی بدولت تجھ پر رازوں کا انکشاف ہوا ہے دوسروں تک منتقل کر یہی تیرا فرض ہے یہی تیری عبادت۔

زیر نظر مکالمتی اقتباس پر غور کرنے سے قبل یہ ذہن میں ہونا ضروری ہے کہ جابر بن حیان جہاں ایک وسیع مطالعہ پر

قادر سائنس دان تھا وہاں ایک ایسا مسلمان بھی تھا جسے علوم قرآن پر وسیع دسترس بھی حاصل تھی۔اسی سبب کی بنا پر اسے ہم مذہبی عالم بھی کہہ سکتے ہیں اور جب یہ بات سامنے آجائے تو یہ وضاحت آپ ہی ہو جاتی ہے کہ علم کیمیا میں اس کی عظمت اس کی ہی پیدا کردہ نہیں بلکہ اسلامی احکامات اور اسلام کے پیدا کردہ فطری میلان کا زرخیز نتیجہ تھی۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر کیا سبب ہے کہ تمام کی تمام قوام میں یہ اعزاز صرف اہل اسلام کو ہی حاصل ہوا کہ انہوں نے مشاہدۂ فطرت اور مطالعۂ قوانین فطرت کے علاوہ تحقیق وجستجو، بحث ودلائل اور فکر واجتہاد کو اپنا وطیرہ ہی نہیں بلکہ روح کا ایک جزو خاص بنالیا۔ یہاں تک کہ علم وفن کے سوتے ان کی ذات سے ایسے پھوٹے کہ سارا جہاں سیراب ہوگیا۔ اس سوال کا جواب قرآن کریم میں پوشیدہ ہے۔ اس کا مطالعہ کیا جائے تو وہ تمام امور عیاں ہیں جن سے ناآشنائی کے سبب یہ سوال ہمارے ذہن مین پیدا ہوا، ویسے مختصراً اس کا جواب یہ ہے کہ اس کتاب مقدس نے کائنات اور فطرت کے تمام متبادل کی طرف انسان کو توجہ دلا کر اسے مشاہدہ اور مطالعہ کی سمت راغب کیا۔اس طرح قرآن حکم کو دنیا کی اس پہلی عظیم جامع...... سائنسی کتاب کا درجہ حاصل ہے جس نے سچائی اور حق کے لئے ظلمت کدے پر پہلی آواز بلند کی اور جس کی گونج دنیا کے کونے کونے میں سنی گئی۔

مناقب مدارالعالمینؒ

اے تمنائے دل ناز قسمت پہ کر ناز کرنے کا تیرے مقام آگیا
اے جنون عقیدت جھکا اپنا سر آستان مدارالمہام آگیا

موج برہم ہی خود بن گئی ناخدا ڈوبنے والی کشتی کو ساحل ملا
گھر کے طوفان میں لب پہ بے ساختہ جب مدار دوعالم کا نام آگیا

ایسے زندہ ولی کا ہے یہ آستاں ہرادا جس کی ہے زندہ جاوداں
اب تو مردہ دلو لے کے عزم جواں جی اٹھو زندگی کا پیام آگیا

مل گیا ثمرہ جوش دیوانگی آج حاصل ہوا مقصد زندگی
اٹھ گئی ہے نگاہ کرم آپ کی میرا دیوانہ پن میرے کام آگیا

راہ دید و ذرا نور کی جالیو اے حجابات ظاہر کی حد بندیو
وہ ادیب اپنی نظر عقیدت لئے آستاں پر برائے سلام آگیا

حضرت سید معز حسین ادیب علیہ الرحمہ

میرے آقا کی محبت کے اجالے دل کو
غم کی تاریک فضا میں ہیں سنبھالے دل کو

چاہتا ہوں کہ کروں ان پہ نثار اپنا لہو
اچھے لگتے ہیں تیرے چاہنے والے دل کو

خوش نصیبی سے ملا ہے تجھے دربار مدار
کاش دربار کا تو اہل بنالے دل کو

پاس آنے ہی نہیں دیتے ہیں یہ حزن وملال
کرکے دیکھے تو کوئی ان کے حوالے دل کو

اپنے آقا کی غلامی کی سند حاصل کر
ناشناسی کی ندامت سے بچالے دل کو

یاد سرکار سے غفلت کا نتیجہ معلوم
پھر برا وقت نہ گردش میں پھنسالے دل کو

جس میں سرکار کی مرضی نہ ہو کوئی بھی عظیم
ایسے ماحول میں بہتر ہے نہ ڈھالے دل کو

حضرت سید عظیم الباقی عظیم رحمۃ اللہ علیہ

سیدہ طیبہ طاہرہ

حضرت فاطمۃ الزہرہ سلام اللہ علیہا

از۔ سید محمد ریاست علی گوندیا مہاراشٹر

ایک ایسی خاتون جن کی حیات مقدسہ، پاکیزہ کردار، تقدس وطہارت اور عفت وعصمت صبح قیامت تک مشعل ہدایت بن کر زندہ وجاوید رہیں گے

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چہیتی اور لاڈلی بیٹی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام اولادوں میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سب سے زیادہ پیار کرتے تھے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول خدا کی بیٹی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شیر خدا کی زوجہ اور سرداران جنت حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کی والدہ ہونے کی وجہ سے تمام عورتوں سے افضل وبرتر ہیں۔ عورتوں میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گی، آپ کا نام فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس لئے رکھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آتش دوزخ سے آزاد فرمادیا، آپ کو بتولؓ اس لئے کہا گیا کہ فضیلت، دین اور حسب میں اپنے زمانے کی کل عورتوں سے وہ منقطع تھیں، اللہ تعالیٰ نے بشارت دی کہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے محبان کو آتش دوزخ سے نجات ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس درجہ محبت فرماتے تھے کہ چشم فلک نے کسی اور کو ایسی محبت کرتے نہ دیکھا ہوگا، جس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر کا ارادہ فرماتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ملتے اور جس وقت سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آتے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ اپنی زندگی کے دن گزارے یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے غیر معمولی محبت تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی اولاد کو اتنا نہ چاہا جتنا فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو۔ شکل وسیرت اور خلق واخلاق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ تھیں۔ یوں تو باپ کو بیٹی سے محبت ہوتی ہے، لیکن فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر معمولی محبت کا سبب یہ بھی تھا کہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہمہ وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مصروف رہتی تھیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد پسند تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ اور ان کا ادب واحترام کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت فاطمہ رضی اللہ

عنہا سے اس درجہ محبت اور پیار ب کرنا اس وجہ سے ہی تھا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھیں، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے عمر رسیدہ ہونے کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بڑی مستعدی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتی تھیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

جس سے فاطمہ خوش اس سے خدا خوش۔

ایک اور موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''فاطمہ میرے دل کا ٹکڑا ہے جو اسے دکھ پہنچائے گا وہ مجھے تکلیف دے گا، جو اسے خوش رکھے گا، وہ مجھے راحت پہنچائے گا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بڑی اہمیت رکھتا ہے، آپ فرماتے ہیں۔

''میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے والد کے علاوہ کوئی ہستی ان سے افضل نہیں دیکھی''۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد ایک طرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی جدائی کے غم میں مبتلا ہوگئیں، تو دوسری طرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری کی ساری ذمہ داری حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر آن پڑی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ماں کے انتقال کے وقت ایک کمسن بچی تھیں انہیں ماں کی جدائی شاق تھی۔ وہ ہر وقت پژمردہ نظر آتی تھیں۔ مستقل غم نے ان کی صحت پر اور اثر ڈالا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا دل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دوگونہ محبت کا مرکز ہوگیا تھا، باپ کی حیثیت سے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر معمولی محبت کرتے تھے، لیکن ماں کی محبت بھی سمٹ کر باپ کی محبت میں تبدیل ہوگئی تھی، کفار مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مصروف عبادت تھے اوجھڑی رکھ دی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جب خبر ہوئی تو وہ بے اختیار دوڑی دوڑی آئیں اور اوجھڑی کو آپ صلی اللہ علیہ پر سے ہٹایا اور کافروں کے لئے بددعا کی۔ ایک موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم دھوتی جاتی تھیں اور روتی جاتی تھیں۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو سب سے زیادہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی متاثر تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ اتنی زیادہ غمگین رہنے لگیں کہ صرف چھ ماہ بعد ہی آپ رضی اللہ عنہا نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت یافتہ ہونے کی وجہ سے انسانیت کے نکتہ کمال پر فائز تھیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا آئینہ تھیں، بے پناہ ذکاوت، ذہانت اور علم کی دولت سے مالا مال تھیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوئی اس شادی کی خوشی سب سے زیادہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں ہی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں پروان چڑھے تھے۔ دونوں کو تربیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی، دونوں ہی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے پناہ محبت فرماتے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو جمع فرمایا اور خطبۂ نکاح ارشاد فرمایا:

''میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں جو اپنی نعمتوں کے باعث ہر تعریف و تحسین کا سزاوار ہے اور اپنی قدرتوں کے باعث عبادت و پرستش کے لائق ہے، اس کی سلطانی ہر جگہ قائم ہے، زمین و آسمان پر اس کا حکم چلتا ہے، پھر اپنے

سیدہ طیبہ طاہرہ

حضرت فاطمۃ الزہرہ سلام اللہ علیہا

از۔ سید محمد ریاست علی گوندیا مہاراشٹر

ایک ایسی خاتون جن کی حیات مقدسہ، پاکیزہ کردار، تقدس وطہارت اور عفت وعصمت صبح قیامت تک مشعل ہدایت بن کر زندہ وجاوید رہیں گے

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چہیتی اور لاڈلی بیٹی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام اولادوں میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سب سے زیادہ پیار کرتے تھے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول خدا کی بیٹی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شیر خدا کی زوجہ اور سرداران جنت حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کی والدہ ہونے کی وجہ سے تمام عورتوں سے افضل وبرتر ہیں۔ عورتوں میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گی، آپ کا نام فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس لئے رکھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آتش دوزخ سے آزاد فرمادیا، آپ کو بتولؓ اس لئے کہا گیا کہ فضیلت، دین اور حسب میں اپنے زمانے کی کل عورتوں سے وہ منقطع تھیں، اللہ تعالیٰ نے بشارت دی کہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے محبان کو آتش دوزخ سے نجات ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس درجہ محبت فرماتے تھے کہ چشم فلک نے کسی اور کو ایسی محبت کرتے نہ دیکھا ہوگا، جس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر کا ارادہ فرماتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ملتے اور جس وقت سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آتے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ اپنی زندگی کے دن گزارے یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے غیر معمولی محبت تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی اولاد کو اتنا نہ چاہا جتنا فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو۔ شکل وسیرت اور خلق واخلاق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ تھیں۔ یوں تو باپ کو بیٹی سے محبت ہوتی ہے، لیکن فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر معمولی محبت کا سبب یہ بھی تھا کہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہمہ وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مصروف رہتی تھیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد پسند تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ اور ان کا ادب واحترام کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت فاطمہ رضی اللہ

عنہا سے اس درجہ محبت اور پیار ب کرنا اس وجہ سے ہی تھا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھیں، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے عمر رسیدہ ہونے کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بڑی مستعدی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتی تھیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

جس سے فاطمہ خوش اس سے خدا خوش۔

ایک اور موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''فاطمہ میرے دل کا ٹکڑا ہے جو اسے دکھ پہنچائے گا وہ مجھے تکلیف دے گا، جو اسے خوش رکھے گا، وہ مجھے راحت پہنچائے گا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بڑی اہمیت رکھتا ہے، آپ فرماتے ہیں۔

''میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے والد کے
علاوہ کوئی ہستی ان سے افضل نہیں دیکھی''۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد ایک طرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی جدائی کے غم میں مبتلا ہوگئیں، تو دوسری طرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری کی ساری ذمہ داری حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر آن پڑی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ماں کے انتقال کے وقت ایک کمسن بچی تھیں انہیں ماں کی جدائی شاق تھی۔ وہ ہر وقت پژمردہ نظر آتی تھیں۔ مستقل غم نے ان کی صحت پر اور اثر ڈالا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا دل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دوگونہ محبت کا مرکز ہوگیا تھا، باپ کی حیثیت سے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر معمولی محبت کرتے تھے، لیکن ماں کی محبت بھی سمٹ کر باپ کی محبت میں تبدیل ہوگئی تھی، کفار مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مصروف عبادت تھے اوجھڑی رکھ دی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جب خبر ہوئی تو وہ بے اختیار دوڑی دوڑی آئیں اور اوجھڑی کو آپ صلی اللہ علیہ پر سے ہٹایا اور کافروں کے لئے بددعا کی۔ ایک موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم دھوتی جاتی تھیں اور روتی جاتی تھیں۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو سب سے زیادہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی متاثر تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ اتنی زیادہ غمگین رہنے لگیں کہ صرف چھ ماہ بعد ہی آپ رضی اللہ عنہا نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت یافتہ ہونے کی وجہ سے انسانیت کے نکتہ کمال پر فائز تھیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا آئینہ تھیں، بے پناہ ذکاوت، ذہانت اور علم کی دولت سے مالا مال تھیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوئی اس شادی کی خوشی سب سے زیادہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں ہی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں پروان چڑھے تھے۔ دونوں کو تربیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی، دونوں ہی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے پناہ محبت فرماتے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو جمع فرمایا اور خطبۂ نکاح ارشاد فرمایا:

''میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں جو اپنی نعمتوں
کے باعث ہر تعریف وتحسین کا سزاوار ہے
اور اپنی قدرتوں کے باعث عبادت و پرستش
کے لائق ہے، اس کی سلطانی ہر جگہ قائم ہے،
زمین وآسمان پر اس کا حکم چلتا ہے، پھر اپنے

احکام کے لئے انہیں آپس میں الگ الگ کردیا اوراپنے دین کے ذریعے انہیں سربلندی عطا فرمائی۔ اوراپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے انہیں عظمت ومنزلت سے بہرہ ور کیا، بلاشبہ خدا نے شادی کو ایک لازمی چیز قراردیا ہے''۔

رخصتی کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بے پناہ دعاؤں کے بعد اپنی لخت جگر کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا اور اپنی بیٹی کو تسلی وتشفی دی اور فرمایا:

''میری بچی میں نے تجھے ایسے شخص کو سونپا ہے جس کا ایمان زیادہ قوی ہے، اس کا علم دوسرے سب لوگوں سے زیادہ ہے اور وہ ہماری قوم میں اخلاق علوئے نفس کے اعتبار سے افضل ہے''۔

چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے تربیت یافتہ اور پرورش کردہ تھے، یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ خلق واخلاق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نہ کرتے، کوئی شبہ نہیں، وہ اپنے گھر میں اپنی رفیقہ حیات کا گھریلو کام میں بھی ہاتھ بٹایا کرتے تھے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا چکی چیتیں اور آٹا گوندھتیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ باہر جاکر لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور پانی بھر کر لایا کرتے تھے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بڑی صابر اور اللہ والی خاتون تھیں، تمام زندگی مشقت اور کام کاج میں گزاری لیکن زبان سے کبھی شکوہ نہ کیا، چکی پیتے پیتے آپ کے ہاتھوں میں چھالے پڑجاتے تھے لیکن اُف تک نہ کیا آپ نے جنگ احد میں مسلمان زخمیوں کی مرہم پٹی میں حصہ لیا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی پانچ اولادیں ہوئیں، امام حسن، امام حسین، حضرت محسن، زینب الکبریٰ، ام کلثوم، رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بعض مؤرخین حضرت محسن کے وجود سے انکار کرتے ہیں اور بعض آپ کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد سے بے انتہا اور غیر معمولی محبت کیا کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''حسین رضی اللہ عنہ مجھ سے ہے اور میں حسین رضی اللہ عنہ سے ہوں، یا اللہ! جو حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کرے تو بھی اسے محبوب رکھ''۔

حضرت براب عاذب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے دیکھا حسن بن علی رضی اللہ عنہما دوش مبارک پر سوار ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں:

''یا اللہ میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر''۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے والد ماجد کی رحلت کے چھ ماہ بعد اس فانی دنیا سے عالم جاودانی کو رخصت ہوگئیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ اہل بیت میں سے سب سے پہلے وہ مجھ سے ملیں گی، اور ایسا ہی ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد سب سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا، وفات کے وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر ۲۸ رسال تھی۔ جنت البقیع کے قبرستان میں آپ رضی اللہ عنہا کو دفن کیا گیا۔

• • •

افضل البشر بعد الانبیاء یار غار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

خلیفہ اوّل

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مسئلہ ختم نبوت

علامہ رحیم بخش، دہلی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت سے پہلے نگہ کی بلندی، سخن کی دلنوازی اور جاں کی پرسوزی کے لئے مشہور تھے آپ کے مزاج میں نرمی اور رقت بہت تھی، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اور اس کے بعد حالت میں آپ نے جس استقامت ، جرأت واستقلال اور مومنانہ بصیرت وتدبر کا مظاہرہ کیا۔ اس سے آپ کی شخصیت کی ہمہ گیری اور جامعیت ثابت ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضور کا فیضان نظر تھا جس نے مکہ کے ایک تاجر کو صدیق اکبر بنادیا۔ جنہوں نے دو برس تین ماہ اور گیارہ دن کی مدت خلافت ۱۲ر ربیع الاول ۱۱ھ ۳ر جون ۶۳۲ء تا ۲۱ر جمادی الآخر ۱۳ر ھ ۲۲ر اگست ۶۳۴ء میں بڑے حلم وتدبر سے اندرونی اور بیرونی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا قلع قمع کردیا اور اسلامی ریاست کو ایک مستحکم اور ناقابل تسخیر قلعہ بنادیا۔

جیش اسامہ کی روانگی

مسندِ خلافت پر رونق افروز ہونے کے بعد آپ کو سب سے پہلے جس چیلنج کا سامنا کرنا پڑا، وہ جیش اسامہ کی روانگی کے بارے میں فیصلہ کرنا تھا۔ ہوا یوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض نبوت کی ادائیگی کے سلسلہ میں بصرہ کے حاکم شرجیل کی طرف ایک قاصد بھیجا اس شقی نے اس قاصد کو شہید کردیا۔ اس پر آپ نے زید بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک مختصری جماعت کے ساتھ اس سے جنگ کے لئے بھیجا۔ دشمن کی کثیر افواج سے مسلمانوں کی مختصری جماعت کا سامنا شام کی ریاست بلقاء کے ایک قصبے موتہ کے مقام پر ہوا۔ گھمسان کا رَن پڑا اور اس جنگ میں تین معزز اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید بن حارث، جعفر اور عبداللہ

بن رواحہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعیت یکے بعد دیگرے سپہ سالار بنے اور شہادت کے منصب پر فائز ہوئے۔ آخر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بڑی حکمت و جرأت سے مٹھی بھر فوج کو دشمن کے نرغے سے نکالا اور مدینے کا رخ اختیار کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حادثے کا شدید رنج ہوا۔ آپ نے شہدائے موتہ کا انتقام لینے کے لئے اسامہ بن زیدؓ کی سرکردگی میں ایک لشکر منظم کیا۔ ابھی اس کی روانگی عمل میں نہیں آئی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرما گئے۔ اس صورت حال سے سرحدیں قطعی طور پر غیر محفوظ اور داخلی امن وامان کا مسئلہ سنگین تر اور پیچیدہ تر ہو گیا تھا۔

حکمت عملی

بعض صحابہ کرامؓ نے اندرونی خلفشار کے پیش نظر اس مہم کے التواء کا مشورہ دیا۔ ان کے خیال میں حکمت و دانائی کا تقاضا تھا کہ مرکز اسلام کو غیر محفوظ نہ چھوڑا جائے پہلے اندرونی فتنوں کا سد باب کیا جائے۔ پھر بیرونی مسائل کی طرف توجہ دی جائے۔ بعض نے فوج کی ہیئت ترکیبی خصوصاً اسامہ کی بحیثیت سپہ سالار تقرری کو ہدف تنقید بنایا۔ ان کے رائے تھی کہ اتنی بڑی مہم پر کسی نوجوان کی بجائے جہاں دیدہ اور فن حرب کے ماہر کو مقرر کیا جائے ،لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک دوسرا فیصلہ کیا جسے ہم آپ کی خلافت کا بنیادی اور نا قابل تنسیخ اصول کہہ سکتے ہیں۔ آپ کی حکمت عملی یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہر حال میں لائق اتباع ہے اور تمام حکمتوں پر ترجیح رکھتا ہے۔ اس لئے آپ نے جیش اسامہ کی روانگی کا حکم دے دیا۔

بہر حال چالیس دن کے بعد یہ فوج جنگی مقاصد کی تکمیل کے بعد قبائل قضاعہ وغیرہ کو روندتے ہوئے مدینہ آ گئی۔ اس فوجی کارروائی کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا۔ سرحدوں کی مضبوطی اور حفاظت کے ساتھ غیر ملکی اسلام دشمن قوتوں کو کان ہو گئے کہ مدینہ کی اسلامی ریاست سے کھلم کھلا مقابلہ خواب پریشان سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔ اور دوسری طرف اندرونی سازشی اور باغی عناصر کو بڑی حد تک اسلامی ریاست کی بالا دستی (Sup Pereryy) کا یقین ہو گیا۔ تیسری طرف اسلام کے شیدائیوں کو ایک نیا عزم اور ولولہ ملا جس سے کام لے کر انہوں نے باغی عناصر کا قافیہ تنگ کر دیا۔

عزم ویقین

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا عزم ویقین لائق داد ہے کہ ابھی جیش اسامہ ہی میں تھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر سے بدنیت اور آمادۂ فساد عناصر نے بغاوت وسرکشی کا راستہ اختیار کر لیا۔ عمال اور اسرار کی طرف سے مفصل خبریں پہنچنے پر آپ کو معلوم ہوا کہ بعض قبائل اسلام کے دعوے کے باوجود زکوٰۃ کی ادائیگی سے برملا انکار کر رہے ہیں آپ نے پورے عزم ویقین سے ان فتنوں کو کچلنے کا اعلان کر دیا۔ اسامہ کی غیر حاضری سے خود مرکز اسلام مدینہ بھی غیر محفوظ تھا اس لئے بعض صحابہ کرامؓ کی رائے تھی کہ منکرین زکوٰۃ کو فی الحال نہ چھیڑا جائے انہیں ساتھ ملا کر اسلام سے منحرف قبائل کی بیخ کنی کی جائے۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تاریخی فیصلہ کیا۔

> ''واللہ اگر منکرین زکوٰۃ مجھے ایک رسی دینے سے بھی انکار کریں گے جسے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ادا کیا کرتے تھے تو بھی میں ان سے جنگ کروں گا''۔
>
> ''واللہ میں صلوٰۃ اور زکوٰۃ میں فرق کرنے والے لوگوں سے ضرور لڑوں گا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اسلام

قبول کرنے والے لوگوں کے ذمے جو حقوق ہوں گے ان کی ادائیگی کا مطالبہ بہر حال ان سے کیا جائے گا‘‘۔

منکرین زکوٰۃ کی سرکوبی

مسلمانوں کی کمزوری اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دوٹوک فیصلے کے علم سے مدینہ کے گرد و نواح میں آباد قبائل بنی عبس، بنی ذبیان، بنی کنانہ، بنی غطفان اور بنی فزارہ واضح طور پر مسلمانوں کے مقابلے میں آنے پر مجبور ہو گئے ان میں سے بعض قبائل نے مدینہ کے قریب ابرق اور بعض قبائل نے نبی کے راستے میں واقع ذی القصہ میں خیمے گاڑ دیئے اور مقابلے کی تیاری کرنے لگے۔ ادھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی، زبیر، طلحہ اور ابن مسعود رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو مختلف دستوں کی کمان سونپ کر مدینہ کے اہم ناکوں اور بیرونی راستوں پر مقرر کر دیا اور خود جانثاروں کی ایک جماعت لے کر ان قبائل پر چڑھ دوڑے قبائل کو اس حملے کی توقع نہیں تھی، تاہم ابتداء میں ان کا پلہ بھاری رہا۔ لیکن اگلی صبح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقام پر خیمہ زن دشمن پر برق خاطف بن کر گرے اور آن کی آن میں دشمن کا سارا غرور اور طاقت بھسم کر کے رکھ دی۔ مؤرخین کا کہنا ہے کہ جس طرح آغاز اسلام میں غزوۂ بدر نے کفر و اسلام میں فیصلہ کن کردار ادا کیا اسی طرح جنگ ذی القصہ نے اسلامی ریاست میں از سرنو استحکام میں فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ کیونکہ ابھی مسلمانوں کو جیش اسامہ کی کامیاب واپسی کی خوشخبری بھی نہیں ملی تھی، اس لئے یہ عہد صدیق کی پہلی جنگ اور فتح متصور ہوئی۔

جھوٹے مدعیان نبوت

جیش اسامہ کی واپسی اور منکرین زکوٰۃ کی سرکوبی سے بیت المال میں صدقات کی آمد شروع ہو گئی، مرکز اسلام کی حفاظت کا قرار واقعی بندوبست ہو گیا، اسلامی ریاست کی مالیات بھی درست ہونے لگیں۔ تب حضرت ابوبکرؓ نے اسلام سے انحراف وارتداد نیز جھوٹے مدعیان نبوت کی سرکوبی کے لئے گیارہ دستے ترتیب دیئے اور ان پر الگ الگ سپہ سالار مقرر کئے اور ہر دستے کے لئے جدا جدا حکم بنایا اور انہیں مختلف مقامات کی طرف روانہ فرمایا۔ ان دستوں کی تفصیل یہ ہے:

(۱) حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلیحہ بن خویلد اسدی کے لئے مقرر فرمایا، اس کو شکست دینے کے بعد آپ مالک بن نویرہ پر حملہ آور ہوئے۔

(۲) حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسیلمہ کذاب کے استیصال پر مقرر کیا۔

(۳) حضرت شرجیل بن حسنہ کو مسیلمہ کیخلاف عکرمہ کی کمک نیز قبیلہ قضاعہ پر حملہ کے لئے بھیجا۔

(۴) حضرت مہاجر بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسود عنسی کی بیخ کنی کے بعد قیس بن مکشوح اور اس کے یمنی ہمدردوں کے خلاف قبیلہ انبار کی حمایت اور پھر حضر موت میں باغیوں کے مقابلے کے لئے بھیجا۔

(۵) حضرت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کی ناکامی کے بعد شام کی طرف حملہ کرنے کا حکم دیا۔

(۶) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قبائل قضاعہ اور ودیعہ وحادرث کے شوریدسر باغیوں کی سرکوبی کے لئے مقرر فرمایا۔

(۷) حضرت حذیفہ بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عمان کے اہل دبا کی سرکشی مٹانے کا حکم دیا۔

(۸) حضرت عرفجہ بن ہرثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قبیلہ مہرہ کی بغاوت فرو کرنے پر مامور فرمایا۔

(۹) حضرت طریفہ بن عاجز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قبیلہ سلیم

اور قبیلہ ہوازن سے نبرد آزما ہونے کے لئے بھیجا۔

(۱۰) حضرت سوید بن مقرن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تہامہ کے باغیوں کے استیصال کا حکم دیا۔

(۱۱) حضرت علا بن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نجران کے حملہ آوروں کی پامالی پر مامور کیا۔

اسود عنسی کا استیصال

اسلام میں سب سے پہلے ارتداد کی باقاعدہ مہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری زمانہ میں شروع ہوئی جس کا بانی اسود عنسی تھا۔ اس کا اصل نام قبیلہ ابن کعب اور لقب ذی الحمار تھا۔ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور قبیلہ مدحج اور اہل نجران کو ساتھ ملا کر صنعاء پر قبضہ کرلیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے کی اطلاع ملی، تو آپ نے اپنے اعمال کو تحریری طور پر اسود کے استیصال کا حکم دیا۔ ان عمال نے آپ کے فرمان کی تعمیل میں اسود کا محاصرہ کر کے اسے جہنم رسید کیا اور اس کے بعد مسلمانوں نے اسود کی داشتہ آزاد کا تعاقب کیا جس کے پہلے شوہر کو اسود نے قتل کرادیا تھا۔ ادھر اہل صنعاء نے حملہ آور مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی بڑی کوشش کی لیکن انجام کار اسود کے بقیۃ السلف اور ان کے ساتھی باغیوں کو نجران صنعاء حضر موت اور جند خالی کرنا پڑے، ان واقعات کی اطلاع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بھیجی گئی لیکن جب قاصد مدینہ میں داخل ہوا تو اسی روز صبح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے پردہ فرما چکے تھے۔

طلیحہ اسدی

طلیحہ بن خوید اسدی کا اصل نام طلحہ تھا، مسلمان اسے تحقیراً طلیحہ کے نام سے پکارتے تھے، قبیلہ اسد سے تعلق رکھتا تھا جو قریش کا دیرینہ حریف تھا طلیحہ نے بھی حضور کی زندگی ہی میں نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا لیکن اس وقت کامیاب نہ ہوسکا، البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس نے اپنے قبیلہ کو رام کرلیا۔ اس نے بے سروپا عبارتوں کو وحی آسمانی کا نام دے کر لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ اپنی نبوت کی مضبوطی کے لئے اس نے لوگوں کو نماز میں رکوع وجود کی موقوفی کا لالچ دیا۔ پھر زکوٰۃ کی معافی کا ڈھونگ رچایا۔ اس سے منکرین زکوٰۃ بھی اس کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوگئے۔

قبائل عبس، ذبیان، بکر اور ان کے وہ مددگار جنہوں نے مدینہ پر چڑھائی کے وقت ہزیمت اٹھائی تھی۔ انتقامی جذبہ کے تحت طلیحہ کے ساتھ مل گئے۔

مالک بن نویرہ اور سجاع

عرب کے جنوبی حصے میں بنی عامر کے قریب تمیم اور اس کی شاخیں آباد تھیں چونکہ یہ قبائل خلیج فارس تک پھیلے ہوئے تھے۔ اس لئے ان کا ایرانیوں سے بھی تعلق تھا۔ یہ قبائل بھی نام نہاد خودمختاری کے قائل تھے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قبائل کو بزور مطیع کیا اور ان کی مختلف شاہوں کے لیے بھی مختلف امیر مقرر فرمائے۔ ان میں مالک بن نویرہ بھی ایک امیر تھا جو نالی یربوع کا سردار تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ان میں اختلاف پیدا ہوا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں زکوٰۃ بھیجی جائے یا نہیں۔ مالک دوسری رائے کا حامی تھا۔ اسی دوران بنی تغلب کی ایک حسین وجمیل مگر عیار ومکار عورت سجاح بنت حارث عراق کے علاقے جزیرہ سے بنی تمیم میں آئی اور لوگوں کو مرکز اسلام کے خلاف مشتعل کرنے لگی۔ اس نے نبوت کا دعویٰ بھی کیا۔

ایرانی حکومت کی سیاسی پشت پناہی اور ذاتی ذہانت کے بل بوتے پر اسے یقین تھا کہ جملہ بنی تمیم اس کے زیر اثر آجائیں گے؛ لیکن ایسا نہ ہوسکا۔ اس نے مالک کے مشورے

سے پہلے ان سرداروں پر حملہ کیا جو مالک کی رائے کے مخالف تھے۔ جب مالک اور اس کے ساتھیوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو انہیں مخالفین سے مصالحت کرتے بنی۔ جس کے نتیجے میں سجاح کو وہاں سے راہ فرار اختیار کرنا پڑی۔ مالک کے دست راست وکیع نے بھی مسلمانوں کی رفاقت اور ادائیگی زکوٰۃ کو ترجیح دی اس سے مالک بہت پریشان ہوا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس پر اچانک حملہ کر دیا جس کی تاب نہ لاتے ہوئے وہ اپنی قوم کو پہلے ہی منتشر ہونے کا حکم دے چکا تھا۔ اور خود روپوش ہو چکا تھا۔ لیکن خالد کے سپاہیوں نے مالک اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے کیفر کردار تک پہنچا دیا۔

مسیلمہ کذاب

مسیلمہ بن حبیب یمامہ کے قبیلہ بنو حنیفہ کا سردار اور انتہائی موقع پرست اور جاہ پسند انسان تھا۔ ۹ھ میں بنو حنیفہ کا وفد مدینہ آیا تھا اس میں مسیلمہ بھی شامل تھا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ آپ اسے اپنی نبوت میں شریک اور اپنا جانشین بنا لیں تو وہ آپ پر ایمان لے آئے گا لیکن آپ نے اس کا یہ لایعنی مطالبہ سن کر فرمایا:

"میں احکام خداوندی سے بال برابر تجاوز نہیں کر سکتا اس شرط پر اگر تم کھجور کی ایک چھڑی بھی مانگو تو نہ دونگا"۔

اس کے باوجود اس نے واپس آ کر نبوت کا دعویٰ کر دیا اور حرم کعبہ کے مقابلے پر یمامہ میں ایک نام نہاد حرم بھی بنا دیا۔ جس میں رہزنوں اور لٹیروں نے رہائش اختیار کر لی۔

مسیلمہ انتہائی عیار انسان تھا اور اپنی عیاری سے ہی اس نے لوگوں پر بڑی دھاک بٹھا دی تھی۔ اسی دوران سجاح بنت حارث بنی تمیم میں اپنے میں ناکام ہو کر اپنے لوگوں کو ساتھ لے کر اس کے پاس آئی، جلد ہی دونوں نے شادی کر لی اور اپنی نبوتوں کو یکجا کر دیا۔ مسیلمہ نے اس کی خطر عشاء اور فجر کی نمازوں میں تخفیف کر دی اور نہر کے طور پر یمامہ کی زمینوں کی نصف آمدنی مقرر کر دی جس کا نصف لے کر وہ واپس جزیرہ چلی گئی اور بعد ازاں مسلمان ہو گئی اور اسی حالت میں فوت ہوئی۔

مسیلمہ نے اپنی مسحور کن شخصیت سے اپنے قبیلے کو مکمل طور پر مٹھی میں لے رکھا تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ نہار الرجال نامی ایک شخص جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مبلغ کی حیثیت سے بنی حنیفہ میں مقرر فرمایا تھا۔ مسیلمہ کے بڑھتے ہوئے اقتدار کی بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے کے لئے اس کے ساتھ مل گیا۔ اس نہار نے اس کی نبوت کی تصدیق کی جس سے لوگ اور زیادہ اس کے دام فریب میں مبتلا ہو گئے۔ بہر حال مسیلمہ نے اپنے چالیس ہزار ساتھیوں کیساتھ یمامہ کے ایک جانب عقرباء میں چھاؤنی قائم کی اور ہر طرح کی صورت حال سے نمٹنے کے لئے ہمہ تن تیار ہو گیا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسیلمہ کذاب کے فتنے کے استیصال کیلئے حضرت شرحبیل بن حسنہ اور حضرت عکرمہ بن ابی جہل کو الگ الگ راستوں سے بھیجا اور ہدایت کی دونوں میں سے جو پہلے پہنچے دوسرے کا انتظار کرے اور صرف متحدہ صورت میں حملہ کریں لیکن عکرمہ اس خیال سے کہ فتح کا شرف تھا ان کے حصہ میں آئے شرحبیل کے انتظار کے بغیر مسیلمہ سے بھڑ گئے مگر جلدی پسپا ہونا پڑا۔ اب شرحبیل کی فوج مسیلمہ کے مقابلے میں آئی انہیں بھی حضرت خالد کی فوج کے انتظار کا حکم تھا۔ لیکن انہوں نے بھی عجلت پسندی کی اور نتیجتاً شکست کھا کر پلٹ آئے۔ پے در پے شکستوں نے مسلمانوں کو بددل کر دیا تھا۔ اس عالم میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تائید ایزدی بن کر آ پہنچے اور عام حملے کا

آغاز ہوگیا۔ دشمن نے پہلے کھلے میدان میں مقابلہ کیا لیکن خالد کی لشکر کی تاب نہ لاتے ہوئے اسے پسپا ہونا پڑا۔ پسپا ہوکر بنو حنیفہ نے ایک باغ (حدیقۃ الرحمٰن) میں پناہ حاصل کی۔ لیکن جیالے مجاہدین دیوار پھاند کر اندر جاپہنچے اورانہوں نے باغ کا دروازہ کھول دیا۔ حضرت خالد کی فوج مردانہ وار اندر گھس گئی اوراس نے دشمنان دین کوگاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کردیا۔ سیدالشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی نے اپنے خاص حربے سے مسیلمہ کوجہنم رسید کیا۔ مسلمانوں کوشاندار فتح حاصل ہوئی اورانہوں نے فتنہ ارتداد کا قلعہ مسمار کرکے رکھ دیا۔

باغی قبائل

اسی طرح عرب کے دوسرے حصوں میں بھی باغی قبائل کومطیع کیا گیا۔ حضرت طلحہ بن حضرمی نے عرب کے قبائل کوزیرکیا۔ حضرت عکرمہ نے حذیفہ سے مل کرعمان کے مدعی نبوت ذوالتاج یقیط بن مالک الرومی اوراس کے پشت پناہ باغیوں کوشکست دی۔ حضرت عکرمہ اورحضرت حذیفہ نے بعد ازاں حضرت موت پہنچ کر مہاجرین امیہ کے ساتھ مل کر باغی قبائل کا استیصال کیا اوراس طرح مسلمانوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ان تمام فتنوں کوموت کی نیند سلادیا۔ جنہوں نے اسلامی سلطنت اور عالم عرب کے امن وامان ہی کوختم نہیں کیا تھا بلکہ خوداسلام کوامت مسلمہ کی بقاکے ہدف بنارکھا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کردار کے اسی رخ کوڈاکٹر ویل ہسٹری آف اسلامک پیپلز میں لکھتے:

ابوبکر کا سب سے بڑا وصف ان کا آہنی عزم تھا۔ یہ صفت مسلمانوں کے دشمنوں میں عنقا تھی۔ آپ کا ایمان غیر متزلزل تھا۔ اسلام پر آپ کا عقیدہ تعصب کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ حقیقت میں آپ ہی ایسے شخص تھے جومنصب خلافت کے لئے ہراعتبار سے موزوں تھے''۔

اس نیک سیرت اور منصف مزاج پختہ عمر بزرگ نے ایسے وقت میں عنانِ حکومت کواپنے ہاتھ میں لیا جبکہ ہرجانب بغاوت کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ آپ نے ایک سچے مسلمان کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بگڑے ہوئے نظام کواپنے آہنی عزم واستقلال سے درست کرکے قائم واستوار کیا۔

نتائج واثرات

منکرین زکوٰۃ ، مرتدین اور باغیوں کی سرکوبی کے سلسلہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلیفہ رسول کی حیثیت سے جواقدامات کئے بظاہروہ تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں؛لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اقدامات نہایت وسیع اوردوررس اثرات رکھتے تھے۔ ان واقعات کا بیان نامکمل رہے گا جب تک مختصراًان نتائج واثرات کا تجزیہ نہ کیا جائے۔

(ا) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب بحیثیت خلیفۂ رسول یقیناً بروقت اور برمحل تھا۔ اگراس میں کوتاہی ہوتی تواسلام اورامت مسلمہ کوناقابل تلافی نقصان پہنچتا۔

(۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ صحابہ کی جماعت میں حضور کے بعد سب سے زیادہ فضیلت رکھتے تھے۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا مکمل ترین نمونہ تھے۔ خدا ورسول کی خوشنودی کے لئے جہاں نرمی کی ضرورت ہوتی آپ نرمی برتتے اور جہاں سختی کا موقع ہوتا آپ توقع کے خلاف سخت ثابت ہوتے۔ اگرآپ فتنوں کے خلاف سختی سے کام نہ لیتے توکامیابی محال تھی۔

(۳) آپ ایک اعلیٰ پائے کے سپہ سالار بھی تھے آپ نے مختلف مواقع پر بنفس نفیس دشمنوں سے جنگ بھی کی اور بڑے

بڑے مسلم سپاسالاروں کو ان مہمات کے دوران جنگی احکامات اور تدابیر کے قابل قدر مشورے بھی دیئے۔

(۴) آپ نے حکمراں کی حیثیت سے اسلامی حکومت کا بنیادی اصول یہ قرار دیا کہ ہر معاملے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جائے۔ اسلامی حکمراں اولین فریضہ حضور کے امر ونہی کا حکمت وتدبر اور سیاست وقوت سے نفاذ ہے۔

(۵) ابوبکر نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ خلیفہ وقت، مجلس مشاورت اور پوری قوم مل کر بھی اسلام کے کسی اصول میں ترمیم وتنسیخ کا اختیار نہیں رکھتی۔

(۶) آپ نے واضح کر دیا کہ مسلمان ہونے کے بعد اگر کوئی فرد یا جماعت اسلام کے کسی اصول کا انکار کرتی ہے تو اس سے اس وقت تک جنگ کی جائے گی جب تک وہ اس اصول کا اقرار نہ کرے۔

(۷) منکرین زکوٰۃ سے جنگ کر کے آپ نے نظیر قائم کر دی کہ نماز یا زکوٰۃ کے منکرین سے جنگ جائز ہی نہیں بلکہ اسلامی نظریہ ہے۔

• •

قطعہ

نور جمیل حضرت قطب المدار ہیں
کتنے شکیل حضرت قطب المدار ہیں
قادر خدا ہے قدرت پروردگار کی
روشن دلیل حضرت قطب المدار ہیں

قطعہ

دل غمزدہ سے زباں مانگ لوں گا
زباں سے میں تاب بیاں مانگ لونگا
کروں گا طلب مصطفےٰ کو خدا سے
محمد سے قطب جہاں مانگ لوں گا

سہ ماہی

رہبر نور مکن پور شریف

کی اشاعت کے پانچویں سال کی
ہم مبارکباد پیش کرتے ہیں

अलहाज सैय्यद अब्दुल क़रीम दीवान
संस्थापक महासचिव
बिलाली मुस्लिम वेलफेयर एण्ड डेवलपमेन्ट
सोसाइटी - उदयपुर (राज0)

सैय्यद मोहम्मद इरशाद दीवान
कैशियर एण्ड आडिटर
बिलाली मुस्लिम वेलफेयर एण्ड डेवलपमेन्ट
सोसाइटी - उदयपुर (राज0)
R.T.O. ऑफिस के पास
Mobile: 9829183629

सैय्यद मोहम्मद नौशाद दीवान
(सचिव)
बिलाली मुस्लिम वेलफेयर एण्ड डेवलपमेन्ट
सोसाइटी - उदयपुर (राज0)
मीरा बिल्डिंग प्लानर एण्ड डिज़ाइनर
मदारटेकरी उदयपुर राजस्थान

سیدالطائفہ، سلطان المحققین، طاؤس العلماء

حضور سیدنا **جنید بغدادی** رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ایک ایسے خدا شناس اورعشق آشنا بزرگ کی داستان جو آپ کے اندر ایمانی حرارت کو بیدار کردے گی۔

مولانا سہیل احمد دھلی

سیدنا جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ حضرت سیدنا سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے تھے حضرت جنیدؒ شروع سے ہی عقیل وفہیم اور عشق آشنا تھے اس لئے حضرت سری سقطیؒ آپ سے بہت محبت فرماتے تھے حضرت جنیدؒ کی عمر سات سال کی تھی کہ حضرت سری سقطیؒ حج کو لے گئے اور حضرت جنیدؒ کو اپنے ہمراہ لیتے گئے وہاں ایک روز مشائخ کی مجلس میں شکر پر گفتگو شروع ہوئی مجلس میں چارسو کے قریب اولیائے کرام شامل تھے۔

آخر میں حضرت سری سقطیؒ نے حضرت جنیدؒ سے فرمایا۔ جنیدؒ تم بھی شکر کے متعلق اپنا خیال ظاہر کرو۔ حضرت جنیدؒ نے تھوڑی دیر سر جھکانے کے بعد مجلس سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو کوئی نعمت عطا فرمائے تو اس کا شکر یہ ہے کہ بندہ اس نعمت کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور معصیت کا ذریعہ نہ بنائے اور اس کا نافرمان نہ بن جائے۔

تمام بزرگوں نے اس جواب کی تحسین فرمائی اور کہا شکر کی اس سے بہتر تعریف نہیں ہوسکتی۔ حضرت سری سقطیؒ نے پوچھا بیٹے تم میں یہ لیاقت کہاں سے پیدا ہوئی۔ حضرت جنیدؒ نے نہایت سعادت مندی سے جواب دیا یہ آپ کے فیض محبت سے۔

حضرت جنیدؒ مرید بھی حضرت سیدنا سری سقطیؒ کے تھے آپ نے روحانیت اور تصوف میں وہ کمال حاصل کیا کہ اولیائے کرام ومشائخ عظام نے آپ کو سیدالطائفہ، لسان القوم، عبدالمشائخ، طاؤس العلماء، سلطان المحققین جیسے عظیم الشان القاب وخطابات سے یاد کیا۔ خود مرشد کی نظروں میں آپ کی وہ عزت وقدر تھی کہ ایک روز لوگوں نے حضرت سری سقطیؒ سے پوچھا کہ کیا کوئی مرید اپنے پیر سے بھی بلند مرتبہ ہوجاتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا ہاں اور اس کا روشن ثبوت یہ ہے کہ جنید کا مرتبہ میرے مرتبہ سے بلند ہے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی آئینہ فروشی کی دوکان تھی۔ حضرتؒ دوکان پر جاکر پردہ گرادیتے اور عبادت میں مشغول ہوجاتے نماز کی رکعتیں کبھی کبھی چارسو تک پہنچ جاتیں ایک عرصہ تک اسی طرح محنت وریاضت میں زندگی بسر کی پھر دوکان سے قطع تعلق کرکے ایک حجرہ میں جو حضرت سری سقطیؒ کی ڈیوڑھی میں تھا گوشہ نشین ہوگئے۔ تجرد اور مراقبہ کا یہ حال ہوگیا کہ مصلی تک بار خیال معلوم ہونے لگا۔ اور آپ نے اسے الگ کردیا۔ چالیس سال اسی گوشہ نشینی میں گزارے جن میں تیس سال تو ایک کیفیت رہی کہ آپ عشاء کی نماز پڑھ کر کھڑے ہوجاتے صبح تک کھڑے رہتے۔

جب حضرت جنیدؒ درجۂ کمال پر فائز ہوئے اور آپ کے ارشاد وکلام میں اثر پیدا ہوا تو حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا کہ وعظ کہا کرو۔ لیکن آپ کو اپنے پیرومرشد کی موجودگی میں سلسلہ وعظ ونصیحت جاری کرنا خلاف ادب معلوم ہوا۔ آخر ایک روز حضور رسالت مآب علیہ الصلوۃ والسلام کو خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وعظ کہنے کا حکم دے رہے ہیں آپ نے وعظ کہنا شروع کیا۔

کبھی کبھی حضرت جنیدؒ کا ارشاد ان کے اس مقام کے مطابق ہوتا جہاں لوگوں کے وہم وگمان کی بھی رسائی نہ تھی تو لوگ اسے خلاف شروع دے کر آپ کی مخالفت کرتے اور شورش پھیلاتے۔

ایک مرتبہ حضرت ابن شریحؒ آپ کی مجلسل میں گئے تو لوگوں نے ان سے پوچھا کہ حضرت جنیدؒ کے ارشادات کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے حضرت ابن شریحؒ نے فرمایا ''میں تو ان کے کلام میں عجیب شوکت دیکھتا ہوں۔ لوگوں نے پھر پوچھا کہ یہ حضرت جنیدؒ جو کچھ کہتے ہیں کیا وہ اپنے علم سے کہتے ہیں حضرت ابن شریحؒ نے فرمایا۔ میں یہ تو نہیں جانتا لیکن کلام میں ایسی شوکت ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے یہ کلام کرارہا ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص حضرت جنیدؒ کی خدمت میں پانچ سو دینار لایا آپ نے اس سے پوچھا ان دیناروں کے علاوہ بھی تیرے پاس کچھ ہے اس نے کہا جی ہاں خدا کے فضل سے بہت کچھ ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تیری کچھ حاجتیں بھی ہیں۔ اس نے کہا بے شمار حاجتیں ہیں۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ پھر تو ان دیناروں کا حقدار مجھ سے زیادہ تو ہی ہے کیونکہ نہ میرے پاس کچھ ہے اور نہ مجھے کوئی حاجت ہے۔

ایک رات حضرت جنیدؒ کے مکان پر ایک چور آگیا اور آپ کا پیراہن مبارک چرا لے گیا صبح حضرت جنیدؒ بازار سے گذر رہے تھے دیکھا کہ چور آپ کے اسی پیراہن کو فروخت کررہا ہے اور خریدار اس سے کہہ رہا ہے کہ کوئی شناخت کرے کہ پیراہن تیرا ہی ہے تو میں خرید لوں گا۔ حضرت جنیدؒ نے بڑھ کر فرمایا کہ میں اس حال سے واقف ہوں، اس پر خریدار نے پیراہن خرید لیا۔

حضرت کے ایک مرید پر خبط سوار ہوا اس نے سمجھا میرے لئے پیر کی صحبت سے تنہائی بہتر ہے چنانچہ اس نے گوشہ نشینی اختیار کرلی اور حضرت جنیدؒ کے ہاں حاضری ترک کردی کچھ روز کے بعد اس کو ایسا معلوم ہونے لگا کہ رات کے وقت فرشتے اونٹ لے کر اس کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس پر سوار ہو۔ ہم تمہیں بہشت میں لے چلیں گے۔ وہ اونٹ پر سوار ہوکر روانہ ہوتا ہے کچھ دیر کے بعد اس کو سبز وشاداب باغ نظر آتا ہے جہاں بہت سے خوبصورت لوگ ہوتے ہیں۔ لذیذ ونفیس کھانے موجود ہوتے ہیں اور عمدہ نہریں جاری ہوتی ہیں وہ اسی جگہ سوجاتا ہے اور اس کے بعد بیدار ہوجاتا ہے تو خود کو اپنے عبادت خانے میں پاتا ہے رفتہ رفتہ اس خیال خام نے یہاں تک ترقی کی کہ وہ لوگوں سے اعلانیہ کہنے لگا کہ میرے پاس رات کو فرشتے آتے ہیں اور مجھے جنت میں لے جاتے ہیں۔ حضرت جنیدؒ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے کئی حالات دریافت کئے جب سارا قصہ سن چکے تو فرمایا آج اس مقام پر پہنچ کر بار بار لاحول پڑھنا مرید کے دل میں حضرت جنیدؒ کے اس فرمان کی کچھ وقعت نہیں ہوئی؛ لیکن اس نے آزمائش کے طور پر اپنے ان فرشتوں کی جنت میں پہنچ کر لاحول پڑھی تو یکا یک اس کو لے جانے والے اور وہاں موجود تھے وہ اور وہ جنت مع اپنے ساز وسامان سب غائب ہوگئے۔

اور اس نے دیکھا کہ وہ خود کوڑے کے ایک گندے ڈھیر میں بیٹھا تھا اور اس کے آگے مردے کی ہڈیاں رکھی ہوئی

تھیں۔ یہ دیکھ کر وہ چونکا اور اپنے سودائے خام سے تائب ہوا۔

ایک مرتبہ ایک مرید نے حضرت جنیدؒ کی خدمت میں گستاخی کی جس سے نادم ہوکر وہ آپ کے پاس چلا گیا اور جا کر ایک مسجد میں گوشہ نشین ہوگیا۔ ایک روز حضرت جنیدؒ کا اس طرف گذر ہوگیا آپ نے اس مرید کی طرف دیکھا آپ کی ہیبت سے مرید گر پڑا جس کے صدمہ سے اس کا سر پھٹ گیا اس کے سر سے جو خون نکلتا تھا اس سے اللہ کا نقش بن جاتا تھا۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ نمائش کرتا ہے اور دکھاتا ہے کہ میں اس مقام پر پہنچا ہوں۔

خبردار: ذکر میں تو چھوٹے چھوٹے لڑکے تیرے رتبہ کو پہنچے ہوتے ہیں۔ مرد وہ ہے جو مذکور تک رسائی حاصل کرے یہ بات مرید کے دل پر اثر کر گئی۔ اور اس نے تڑپ کر جان دے دی۔

فرمایا حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے:

(۱) خدارسی کی راہ میں بہت سے رہزن ہیں جو طرح طرح کے جال بچھائے ہوئے ہیں کہیں مکر کا جاتی ہے کہیں استدراج کا۔ کہیں لطف کا، کہیں قہر کا جن کی انتہا نہیں ہے اب ایسے شخص کی ضرورت ہے جو ان جالوں کے درمیان فرق کرلے۔

(۲) جب خدا کی قدرت نظر آتی ہے تو ناظر کو سانس لینا بھی ناگوار معلوم ہوتا ہے اور جب خدا کی عظمت کا مشاہدہ کرتا ہے تو دم بخود ہوجاتا ہے اور ہیبت کو دیکھتا ہے تو دم لینا کفر سمجھتا ہے۔

(۳) خلق اللہ پر تمام راستے بند ہو چکے ہیں صرف حضرت محمد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ کھلی ہوئی ہے کہ لوگ اس پر چلیں۔

(۴) جو شخص قرآن مجید کا حامل اور حدیث نبوی کا ماہر نہ ہو اس کی تقلید نہ کرو۔

(۵) خدا اور بندے کے درمیان چار دریا ہیں جب تک بندہ ان کو عبور نہیں کرتا خدا تک رسائی نہیں ہوتی ایک دریا دنیا ہے اور اس کی کشتی زہد ہے۔ دوسرا دریا انسان ہیں اس کی کشتیاں ان سے دور رہنا ہے۔ تیسرا دریا شیطان ہے اس کی کشتی دشمنی رکھنا ہے چوتھا دریا نفس ہے اور اس کی مخالفت کرنا ہے۔

(۶) انسان سیرت سے انسان ہوتا ہے نہ کہ صورت سے۔

(۷) جس کا علم درجہ یقین تک، یقین درجہ خوف تک، خوف درجہ ورع تک، ورع درجہ اخلاص تک اور اخلاص درجہ مشاہدہ تک نہیں پہنچا وہ ہلاک ہونے والوں میں سے ہے۔

(۸) اگر کسی کے پاس ساری دنیا ہے جب بھی اس کو نقصان نہیں پہنچے گا بشرطیکہ اس میں حرص نہ ہو اگر کھجور کے دانے کے برابر بھی حرص ہوئی تو اس کو ضرور نقصان میں ڈالے گی۔

(۹) جس کی زندگی سانس پر موقوف ہے وہ جان نکلنے پر موقوف ہے لیکن جس کی زندگی اللہ پر منحصر ہے وہ حیات طبعی سے اصلی کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔ اور اصلی زندگی یہی ہے اور جو آنکھ خدا کی صنعت کو عبرت سے نہ دیکھے وہ اندھی ہے کان صدائے حق سننے کے لیے نہ ہوں وہ بہرے ہیں اور جو جسم خدا کی عبادت میں مستعمل نہ ہو وہ مردہ بہتر۔

(۱۰) جس نے عمل پر اعتماد کیا اس کا قدم پھسلا اور جس نے وسیلہ بنایا وہ مفلس ہوا۔ اور جس نے حق تعالیٰ پر بھروسہ کیا وہ بزرگ ہوا۔

(۱۱) خطرات کی چار قسمیں ہیں۔ پہلی قسم کے وہ خطرات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں اور بندے کو آگاہی کے لئے آتے ہیں۔ دوسری قسم ان خطرات کی ہے جو فرشتے کی طرف سے ہوتے ہیں

اور بندے کو عبادت کی رغبت دلاتے ہیں۔ تیسری قسم کے خطرات وہ ہیں جو نفس کی طرف سے ہوتے ہیں اور دنیا کی آزمائش وزیبائش اور عیش وعشرت کی طرف ابھار دیتے ہیں چوتھی قسم ان خطرات کی ہے جو شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں اور انسان کو بغض وحسد کی طرف لے جاتے ہیں۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغداد رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کا حال حضرت عطاءؒ یوں بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت جنیدؒ کے وصال کا وقت آیا تو حضرت نے خادموں سے کہا کہ وضو کراؤ لوگوں نے وضو کرایا۔ لوگ وضو میں انگلیوں پر گئے۔ حضرت نے اس حال میں بھی اس سنت کا ترک گوارا نہ فرمایا اور لوگوں کو خلال کا حکم دیا وضو کر کے آپ سجدہ میں گئے اور زار وزار رونے لگے لوگوں نے عرض کیا کہ حضور آپ نے تو اپنی تمام عمر طاعت وعبادت میں بسر فرمائی اب اس وقت سجدے کی اس کیفیت کی کیا ضرورت تھی۔ حضرتؒ نے فرمایا اس وقت سے زیادہ جنیدؒ کبھی عبادت کا محتاج نہ تھا پھر آپؒ نے قرآن مجید کی تلاوت شروع کی ایک مرید نے پھر اسی طرح کا سوال کیا کہ حضرتؒ نے فرمایا اس سے ضروری وقت تلاوت کے لئے اور کون سا ہوگا۔ میرا اعمالنامہ تہہ کیا جا رہا ہے اور میں اپنی ستر سال کی عبادت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہون۔ کہ بال کی ایک تار میں لٹک رہی ہے اور سخت ہوا اس کو ہلا رہی ہے میں نہیں جانتا کہ یہ ہوا قطعیت کی ہے یا اتصال کی قرآن مجید ختم کر کے آپ نے سورہ بقر کی ستر (۷۰) آیتیں پڑھیں اس وقت آپ پر بے قراری طاری ہوگئی۔ اور سکرات شروع ہو گیا۔ لوگوں نے کہا اللہ اللہ کہیے۔ آپ نے فرمایا میں اللہ کو بھولا نہیں ہوں۔ پھر آپ نے انگلیوں کے پوروں پر تسبیح پڑھنی شروع کی۔ جب شہادت کی انگلی پر پہنچے تو اس کو بلند کر کے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔ اور واصل بحق ہو گئے۔

حضرت عطاءؒ آگے فرماتے ہیں کہ غسل کے وقت لوگوں نے آپ کی بند آنکھوں میں پانی پہنچانا چاہا۔ ہاتف غیبی نے آواز دی کہ جو آنکھیں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ بند ہوئی ہیں وہ اس کے دیدار کے بغیر نہ کھلیں گی۔ تم انہیں کھولنے کی کوشش نہ کرو۔ اس کے بعد لوگوں نے ان انگلیوں کو سیدھا کرنا چاہا جو تسبیح پڑھنے میں بند ہو گئی تھیں۔

انگلیوں سے ایک غیبی آواز آئی جو انگلیاں ہمارے ذکر کی حالت میں بندھی ہیں وہ ہمارے حکم کے بغیر سیدھی نہ ہوں گی۔ حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ جب سیدنا حضرت جنیدؒ کا جنازہ اٹھا تو ایک سفید کبوتر جنازے کے ایک کونے پر بیٹھ گیا لوگوں نے اسے اڑانا چاہا تو غیب سے آواز آئی اسے اڑانے کی سعی نہ کرو۔ اس کے پنجے عشق کی میخ سے جنازے کے ساتھ سلے ہوئے ہیں۔ لوگو! تم جنازہ اٹھانے کی تکلیف بھی گوارا نہ کرو۔ کہ حضرت جنیدؒ کا جنازہ فرشتوں کا حصہ ہے۔ اگر تم لوگوں کا ہجوم نہ ہوا تو آج حضرت جنیدؒ کا جنازہ ہوا میں اڑتا ہوا نظر آتا۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں دجلے کے کنارے گھوم رہا تھا میری نظر ایک ایسے آدمی پر پڑی جو درخت کے نیچے ایک عورت کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اور اس کے سامنے ایک بوتل پڑی تھی میرے دل میں یہ خیال گذرا کہ یہ کوئی عیاش آدمی ہے جو بدکار عورت کے ساتھ یہاں آگیا ہے اور اس کے پاس شراب کی بوتل ہے یہی خیالات میرے دل ودماغ میں گردش کر رہے تھے۔ اچانک مسافروں سے ایک بھری ہوئی کشتی اچانک دریائے دجلہ میں ڈوب گئی۔ وہ شخص دریا میں کود گیا اور ایک آدمی کو نکال لایا۔ اسی طرح اس نے چند بار چھلانگیں لگا کر متعدد انسانوں کی جانیں بچائیں اب اس کی سکت جواب دے چکی تھی۔ چنانچہ اس نے میری طرف

متوجہ ہو کر کہا جنید کشتی میں آدمی سوار تھے جن میں سے میں نے خدا کی توفیق کے ساتھ آٹھ جان بچالی ہے۔ اب ایک ڈوب رہا ہے اسے تم نکال لاؤ میں نے کہا میں تیرنا نہیں جانتا یہ سن کر اس نے غضبناک نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور کہا۔ بدنصیب انسان !ایک شخص کو خدا تعالیٰ نے متعدد انسانوں کی جانیں بچانے کی توفیق دی۔ اسے مشکوک نگاہوں سے دیکھ رہا ہے مجھے پہلی نظر دیکھنے کے ساتھ ہی کیا تو نے یہ نہیں سوچا تھا کہ میں ایک معصیت کار انسان ہوں۔ حالانکہ صورت یہ ہے کہ میری حقیقی بہن ہے جو شدید مرض میں مبتلا ہے میں اسے سیر کی غرض سے اس صحت افزا مقام پر لایا ہوں اور یہ سامنے جو بوتل پڑی ہے اس میں صندل کا شربت ہے جس راستہ پر تو گامزن ہے کیا یہ خدا تعالیٰ کے مقبول بندوں کی راہ ہے؟

یہ سن کر جنیدؒ کی حالت غیر ہوگئی اور انہوں نے اس شخص کو گواہ بنا کر خدا تعالیٰ سے عہد کیا کہ میں آئندہ کی زندگی میں کبھی کسی انسان کے متعلق سوء ظن میں مبتلا نہیں ہوں گا۔ ہر انسان سے متعلق اچھا گمان رکھوں گا کیونکہ باطن کی حقیقت کو بجز عالم الغیب کے کوئی نہیں جان سکتا۔ جنید بغدادیؒ کا یہ واقعہ ان کی داستان حیات میں ایک جلی عنوان کی حیثیت رکھتا ہے کہ وہ ایک دن اونٹنی پر سوار ہو کر قطع مسافت کر رہے تھے ایک مقام پر پہنچ کر ان کی اونٹنی رُکی اور اس نے تمام کوششوں کے باوجود ایک دوسری راہ اختیار کر لی۔ جنید نے اسے راہ پر لانے کے لاکھوں جتن کیئے مگر اونٹنی نے اپنا رُخ نہ بدلا۔ آخر انہوں نے یہ سمجھ کر اسے اس کے ارادے پر چھوڑ دیا کہ اس کا عزم سفر خالی از علت نہیں۔ مشیت کو کچھ اور ہی منظور ہے چنانچہ اونٹنی طویل مسافت کے بعد ایک اجنبی شہر میں داخل ہوئی تو چند لوگوں نے آگے بڑھ کر جنیدؒ کا استقبال کیا۔ اور کہا کہ ہمارے بادشاہ کی بیٹی پر جنون کا غلبہ ہے آپ۔ شکل وصورت سے حکیم معلوم ہوتے ہیں، ہمارا قیاس غلط تو نہیں؟

جنید بغدادی نے یہ سن کر فرمایا میں تو حکیم نہیں لیکن جس آقا کی غلامی میں میں نے عمر بسر کی ہے وہ بہت بڑا حکیم ہے اس کے قرب کی بدولت مجھے بھی حکمت سے تھوڑا بہت شغف پیدا ہو گیا ہے۔ آیئے مریضہ کو دیکھتے ہیں شائد کوئی تدبیر کارگر ثابت ہو۔

شیخ جنید شاہی کارندوں کی رہنمائی میں جب مریضہ کے کمرے میں داخل ہوئے تو وہ انہیں دیکھ کر بے حد مسرور ہوئی اور اس نے ان کا نام لے کر انہیں سلام عرض کیا۔ جنیدؒ نے مریضہ سے استفسار کیا کہ تجھے میرا نام کس نے بتای ہے؟ مریضہ بولی۔ اس قادر قیوم ذات نے جس نے آپ کو میری راہنمائی کے لیے یہاں تک پہنچایا ہے۔ اس کا علم بڑا وسیع ہے اور وہ اپنے ان بندوں کیلئے ہدایت کے دروازے کھول دیتا ہے جو قلب صادق لے کر اس کی بارگاہ سے ہدایت کی توفیق مانگتے ہیں۔ میں ہدایت کی جستجو میں پریشان تھی اور خدا تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعائیں مانگ رہی تھی کہ کسی ایسے انسان کو میری راہنمائی کے لیے بھیج دے جو منزل کا پتہ بتلا دے میرا اضطراب میرے خاندان کے لئے تشویش کا موجب بنا ہوا تھا۔ اسی لئے انہوں نے مجھے دیوانی سمجھ کر زنجیروں میں جکڑ دیا، بہرحال جنیدؒ کی توجہ نے مریضہ کو شفائے کلی عطا کر دی اور اب جنیدؒ کو بھی اپنے سفر کی غایت معلوم ہو چکی تھی۔

● ● ●

یوں ہی نہیں یہ ہونٹ ہمارے نیلے ہیں
سچائی کے بول بڑے زہریلے ہیں
الحاج سید مرتضیٰ حسین رہبر رحمۃ اللہ علیہ

زمانہ جانے کیا کیا حاشیہ آرائیاں کرتا — نہ ہوتی تم جو عینی شاہد کرب و بلا زینب

ہمشیرہ حسنین کریمین، شہزادی حیدر کرار، ام المصائب ناموس الکبریٰ، فصیحہ، فاضلہ، محبوبۃ المصطفیٰ

حضرت زینب دلگیر سلام اللہ علیہا

شہزادی فاطمہ زہرا کی پرسوز اور عبرت ناک تاریخی داستان، جس کو آپ تاقیامت بھول نہیں پائیں گے

آپ کا نام زینبؑ تھا اور کنیت ام الحسن یا بہ روایت دیگر ام کلثوم تھی۔ واقعہ کربلا کے بعد آپ کی کنیت ام المصائب مشہور ہوئی۔

آپؑ کے والد حیدر کرار علی کرم اللہ وجہہ۔ والدہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراؑ۔

نانا سرور کائنات فخر موجودات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور نانی حضرت خدیجۃ الکبریٰ تھیں۔

غرض ننہال اور ددھیال جس افق پر نظر ڈالیں۔ زینب کبریٰؑ آپ کو آسمانِ فضائل کا مہر و ماہ نظر آئیں گی۔

اپنے بے شمار خواص کی بدولت تاریخوں میں آپؑ کے متعدد القاب درج ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں۔ نائبۃ الزہرا، شریکۃ الحسینؑ۔ ناموس الکبریٰ، صدیقۃ الصغریٰ، شجاعہ، فصیحہ، فاصلہ، عابدہ، زاہدہ، محبوبۃ المصطفیٰ۔

حضرت زینبؑ۔ جمادی الاول ۵ھ مطابق ۶۲۷ء میں بمقام مدینہ منورہ پیدا ہوئیں۔ رسول کریمؐ اس وقت مدینہ منورہ میں موجود نہیں تھے۔ تین دن کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اور فاطمۃ الزہراؑ کے گھر تشریف لے گئے۔ بچی کو گود میں لیا اور بہت دیر تک روتے رہے۔ پھر دہن مبارک میں کھجور چبائی اور اس کا لعاب علی کے منہ میں ڈالا۔ اس کے بعد بچی کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زینبؑ تجویز کیا اور فرمایا ہم شبیہ خدیجہؑ ہے:

حضرت زینبؑ کی پرورش اور تربیت کا آغاز سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم، حیدر کرارؑ اور سیدۃ النساءؑ کے زیر سایہ ہوا۔ ایک دن حضرت زینبؑ قرآن پاک کی تلاوت فرما رہی تھیں۔ معصوم بچی تھیں بے خیالی میں سر سے اوڑھنی اتر گئی خاتون جنت فاطمۃ الزہراؑ نے دیکھا تو اس کے سر پر اوڑھنی ڈالی اور فرمایا بیٹی اللہ کا کلام ننگے سر نہیں پڑھتے۔

ایک دن حضرت حسینؑ اور حضرت زینبؑ میں معصومات لڑائی ہوگئی۔

سیدہ فاطمۃ الزہراؑ نے انہیں کلام مجید کی آیات پڑھ کر

سنائیں اور فرمایا لڑائی سے خداوند کریم ناراض ہو جاتا ہے۔ دونوں بچے ڈر گئے اور عہد کیا کہ آئندہ کبھی نہ لڑیں گے۔ فاطمۃ الزہراؓ بہت خوش ہوئیں اور انہیں سینہ سے لگالیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی زینبؓ سے بے حد محبت فرماتے، کئی مرتبہ حسینؓ کی طرح وہ بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوشِ مبارک پر سوار ہوئیں۔

حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت زینبؓ بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں۔ اس وقت ان کی عمر پانچ سال کی تھی اور یہ ان کا پہلا سفر اور پہلا حج تھا۔

۱۱ھ میں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت وفات قریب آیا تو حضرت فاطمۃ الزہراؓ سے فرمایا؛ اپنے بچوں کو بلاؤ۔ وہ سب بچوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئیں۔ اپنے شفیق نانا کو بے چین دیکھ کر سب بچے رونے لگے۔ حضرت زینبؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک پر اپنا سر رکھ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پیشانی چومی اور اپنا دست شفقت ان کے سر پر پھیر کر دلا سا دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت سیدہ زینبؓ کی عمر تقریباً چھ برس کی تھی۔ چھ ماہ بعد شفیق والدہ سیدہ بتولؓ نے وفات پائی۔ ان حادثوں نے ننھی زینبؓ کو سخت صدمہ پہنچایا۔ شفیق نانا اور جاں نثار ماں کی جدائی سے حیدر کرارؓ کے سارے بچے غم والم کی مورتیں بن گئے۔ شیر خدا، باب علم نے بچوں کی تعلیم وتربیت کا کام خود سنبھالا اور کچھ مدت کے بعد ان کی نگرانی کے لئے ام المؤمنین بنت خزام کلابیہ سے نکاح کر لیا۔

باب علم جب خود معلم ہوں تو شاگردوں کی خوش نصیبی کا کیا ٹھکانہ تھوڑی ہی مدت میں سارے بچوں کے دل ودماغ علم وحکمت کے خزانوں سے معمور ہو گئے۔ حضرت زینبؓ نے بھی اپنے جلیل القدر باپ کے علم اور دیگر اوصاف سے خوب استفادہ کیا حتیٰ کہ زہد وتقویٰ، عقل وفراست حق گوئی وبیباکی، عفت وعصمت اور عبادت وشب بیداری میں مثل فاطمۃ الزہرہؓ ہوگئیں۔ دراز قد اور متناسب الاعضاء تھیں۔ چہرۂ مبارک پر اپنے نانا کا جلال تھا۔ اور حرکات وسکنات اور چال ڈھال میں وقار حیدریؓ نمایاں تھا۔ مؤرخین متفق ہیں کہ علم وفضل میں قریش اور بنو ہاشم کی کوئی لڑکی آپ کے برابر نہ تھی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ بے مثال خطیب تھے۔ وہ اپنے خطبات اور تقاریر میں فصاحت وبلاغت کے دریا بہادیتے تھے۔ دنیائے عرب میں آج تک ان کے اقوال ضرب المثل ہیں۔ حضرت زینبؓ کو اپنے عظیم باپؓ کی فصاحت وبلاغت اور زود بیان ورثہ میں ملے۔ ان کے عدیم المثال خطبات تاریخ نے اپنے صفحوں میں محفوظ کر لئے ہیں۔ انہیں پڑھ کر کون سا دل ہے جو پگھل نہ جائے۔ اور کون سی آنکھ ہے جو اشکبار نہ ہو جائے۔ حیرت ہے ان لوگوں پر جنہوں نے یہ بے مثل خطبات سنے اور بدستور دنیا کے کتے بنے رہے۔ حسینؓ کو ان کے رفقاء کے ساتھ دشت کربلا میں شہید کیا اور خاندان نبوت کو بے پناہ مصائب میں مبتلا کیا۔ اپنی لخت جگر کے علم وفضل سے شیر خدا بھی مطمئن تھے۔ ان کے زمانہ خلافت میں حضرت زینبؓ کا قیام بھی کوفہ ہی میں رہا۔ کوفہ کی خواتین اکثر آپؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر قرآن حکیم کے سامنے کھیعص کی تفسیر بیان فرمارہی تھیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تشریف لے آئے اور اپنی لخت جگر کی تقریر سنتے رہے جب بیان ختم ہوا تو شیر خدا نہایت مسرور ہوئے۔ فرمایا ''جان پدر میں نے تمہارا بیان سنا اور مجھے بہت خوشی ہوئی کہ تم کلام الٰہی کے مطالب اتنے عمدہ طریقہ سے بیان کر سکتی ہو''۔

حضرت زینبؓ جب سن بلوغت کو پہونچیں تو قبیلۂ کندہ کے سردار اور رئیس اشعث بن قیس نے ان کے لئے پیغام نکاح دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد حیدر کرارؓ کے بھتیجے شہید موتہ حضرت جعفر طیار بن ابی طالبؓ

کے فرزند عبداللہ ۔ شیر خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ اور حضرت زینبؓ کی خواستگاری کی درخواست پیش کی ۔ جناب مرتضیٰؓ کو اپنے بھتیجے سے بے حد محبت تھی ۔ حضرت جعفر طیارؓ کی شہادت کے بعد رحمۃ للعالمین نے خود ان کی پرورش و تربیت کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جناب علی مرتضیٰؓ ان کے نگراں و سرپرست بنے ۔ وہ بڑے پاکیزہ اخلاق کے حامل تھے ۔ اور سیرت وصورت میں جوانانِ قریش میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے ۔ جناب مرتضیٰؓ نے ان کی درخواست قبول فرمائی ۔ خاندان کے چند بزرگ عبداللہ بن جعفر کو ساتھ لے کر مسجد میں آگئے ۔ اور خلیفۂ وقت جناب علی مرتضیٰؓ نے نہایت سادہ طریق سے اپنی لختِ جگر زینبؓ کا نکاح ان سے پڑھایا۔

اس وقت حضرت زینبؓ کی عمر گیارہ سال اور ایک دوسری روایت کے مطابق تیرہ برس کی تھی ۔ نکاح کے بعد خاندان کی عورتیں انہیں حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے گھر خود پہنچا آئیں ۔ دوسرے دن انہوں نے دعوت ولیمہ کی ۔ مہر کی رقم کے متعلق مؤرخین میں اختلاف ہے ۔ بعض نے ۴۸۰ درہم لکھا ہے اور بعض نے ۴۰ ہزار درہم ۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ اس وقت تجارت کرتے تھے اور ان کی مالی حالت بہت اچھی تھی ۔

حضرت زینبؓ کی خانگی زندگی نہایت خوشگوار تھی ۔ اور اپنے شوہر کی بے حد خدمت گزار تھیں اور وہ بھی ان کی دل جوئی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے تھے ۔ اگرچہ گھر میں لونڈیاں بھی تھیں ۔ اور خادم بھی لیکن زیادہ تر گھر کا کام کاج وہ خود اپنے ہاتھ سے کرتیں ۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ بڑے فیاض اور سخی تھے ۔ شیر خدا کی بیٹی بھی اسی رنگ میں رنگی ہوئی تھیں ۔ ناممکن تھا کہ کوئی سائل یا حاجت مند ان کے دروازے پر آئے اور خالی ہاتھ چلا جائے ۔ یا کسی کی مصیبت کا انہیں پتہ چلے اور وہ اس کی خبر گیری نہ کریں ۔ دونوں میاں بیوی کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ کسی غیر مستحق لوگ بھی ان کے دستِ کرم سے فائدہ اٹھا لیتے تھے ۔ امام حسینؓ نے ایک مرتبہ عبداللہ بن جعفرؓ سے کہا اے ابن عم اسراف سے کام لیتے ہو اور غیر مستحق لوگوں کو بھی اپنی پاک کمائی میں شریک کرتے ہو۔

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے جواب دیا اے بھائی کیا کروں سائل کو دیکھ کر دل قابو میں نہیں رہتا ۔ اللہ نے مجھے دولت اسی لئے دی ہے کہ اس کے بندوں میں بانٹوں ۔

خاوند کے گھر آسودہ حالی حضرت زینبؓ کے مزاج میں کوئی تغیر پیدا نہ کرسکی ۔ وہ بدستور صبر و قناعت ، حلم و رضا ، سادگی اور جفاکشی کا پیکر بنی رہیں ۔

۳۷ھ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے عہد خلافت میں کوفہ کو اپنا مستقر بنایا ۔ حضرت زینبؓ اور عبداللہ بن جعفر بھی کوفہ تشریف لے آئے ۔ کوفہ میں حضرت زینبؓ نہایت تندہی سے درس وتدریس اور وعظ وہدایت کا کام سرانجام دیتیں ۔ کوفہ کی اکثر خواتین ان کے پند ونصائح سے مستفیض ہوتیں ۔ ظہر کی نماز کے بعد آپؓ باقاعدہ درس قرآن اور درس حدیث دیتیں ان کے علم وفضل اور فصاحت وبلاغت کا گھر گھر چرچا پھیل گیا ۔ اسی اثناء میں وہ دردناک حادثہ پیش آیا جس سے زینب کبریٰ کو اپنے عظیم المرتبت باپ کے سایہ سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا گیا۔

خوارج مدت سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف سازشیں کررہے تھے ۔ ایک شخص عبدالرحمٰن ابن ملجم کو انہوں نے خفیہ طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے لئے مقرر کیا ۔ اس نے ایک تلوار زہر میں بجھائی اور کوفہ آکر شیر خدا پر حملہ کی تاک میں رہنے لگا ۔ ۱۷ رمضان المبارک ۴۰ھ کا دن تھا ۔ شیر خدا فجر کی نماز کے لئے مسجد میں تشریف لائے عین سجدہ کی حالت میں ابن ملجم نے زہر آلود تلوار کا وار کیا حیدر

کرار سخت زخمی ہوئے۔ لوگ اٹھا کر گھر لے گئے۔ اپنے شفیق باپ کو اس حالت میں دیکھ کر حضرت زینبؑ کے لئے دنیا اندھیری ہوگئی۔ لیکن بڑے صبر واستقامت سے کام لیا۔ ابن ملجم کو مسلمانوں نے گرفتار کرلیا تھا حضرت زینبؑ نے اس سے مخاطب ہوکر فرمایا اے دشمن خدا تو نے امیرالمؤمنین کو زخمی کرڈالا۔

ابن ملجم نے کہا "امیرالمؤمنین کو نہیں تمہارے باپ کو"۔

زینبؑ نے فرمایا "انشاءاللہ ان کا کچھ نہ بگڑے گا"۔

ابن ملجم نے نہایت بے حیائی سے جواب دیا۔ تو پھر آہ وفغاں کیوں کرتی ہو۔ خدا کی قسم کئی روز میں نے اپنی تلوار کو زہر پلایا ہے۔

اور اس بے درد کے تلوار کا زہر ہی تھا کہ شیر خداؑ کو اس نے پھر بستر سے نہیں اٹھنے دیا۔ ۲۱ ر رمضان المبارک کو یہ آفتاب رشد وہدایت ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔

وفات سے پیشتر حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کو اپنے پاس بلایا اور انہیں وصیت کی اپنے بھائی بہنوں کا خاص خیال رکھنا، ان کا دل آزردہ نہ کرنا۔ ان کے حقوق پورے کرنا اور صلہ رحمی سے پیش آنا۔

اپنے عالی رتبہ اور معدن علم وفضل باپ کی شہادت سے حضرت زینبؑ پر غم واندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا لیکن ابھی ان کی قسمت میں بڑے صدمے لکھے تھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد اہل کوفہ نے امام حسنؑ کو خلیفہ منتخب کیا۔ شام میں امیر معاویہؓ خلافت کے مدعی تھے۔ اہل کوفہ نے حضرت حسنؑ کو ترغیب دی کہ شام پر حملہ کیا جائے۔ جناب امام فطرتاً سکون پسند تھے اور جنگ وجدل کو پسند نہیں فرماتے تھے۔

لیکن اسی اثناء میں امیر معاویہؓ نے مدائن کی طرف فوجی پیش قدمی شروع کردی۔ امام حسنؑ بھی لشکر فراہم کرکے مدائن کی طرف بڑھے۔ ساباط پہنچ کر اپنی فوج کے بعض آدمیوں میں بددلی کے آثار دیکھے ان سے فرمایا کہ اگر تم لوگ لڑائی نہیں کرنا چاہتے تو میں تمہیں تمہاری مرضی کیخلاف جنگ کے لئے مجبور نہیں کروں گا۔ لوگ یہ تقریر سن کر حیران رہ گئے۔

جنگ پسند لوگوں میں اشتعال پیدا ہوا۔ انہوں نے حضرت امام حسنؑ کی توہین کی۔

امام حسنؑ ان لوگوں کی گستاخی اور شرارت سے سخت رنجیدہ ہوئے اور خلافت سے دل برداشتہ ہوگئے امیر معاویہؓ کو انہوں نے لکھا کہ میں ان شرائط پر خلافت سے دست بردار ہوتا ہوں۔

(۱) اہواز کا کلی خراج میرے اور میرے اہل وعیال کے لئے مخصوص ہوگا۔ اور حسینؑ کو دو لاکھ سالانہ الگ دیئے جائیں گے۔

(۲) گزشتہ جنگوں کا کسی سے انتقام نہیں لیا جائے گا اور ہر ایک کو امان دی جائے گی۔

(۳) بنی ہاشم کو عطایا میں بنی امیہ پر ترجیح دی جائے گی۔

(۴) شیر خدا علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق نامناسب الفاظ نہیں کہے جائیں گے۔ امیر معاویہؓ نے یہ شرائط فی الفور منظور کرلیں ط اور عارضی طور پر مسلمانوں میں جنگ وجدل کا خطرہ ٹل گیا۔

بنی ہاشم نے اماحسنؑ کا فیصلہ پسند نہ کیا۔ حضرت زینبؑ بھی اپنے جلیل القدر بھائی کے فیصلہ سے متفق نہ ہوسکیں لیکن ان کے احترام اور محبت کے لحاظ سے خاموش ہوگئیں۔ اس واقعہ کے چند سال بعد ۴۹ یا ۵۰ھ میں امام حسنؑ کی بیوی جعدہ بنت اشعث نے (بنی امیہ کے چند افراد کی سازش یا کسی اور وجہ سے) جناب حیدر کرارؑ کے فرزند اکبر امام حسنؑ کو زہر دے دیا۔ اور اسی کے اثر سے فقر وغنا کا وہ شہنشاہ اپنے مولائے حقیقی سے جاملا۔ والد ماجد کی شہادت کے چند سالوں

کے بعد ہی حضرت زینبؓ کو اپنے اس انتہائی شفیق برادر بزرگ کی جدائی کا صدمۂ عظیم سہنا پڑا اس جاں کاہ صدمہ نے انہیں قبل از وقت بوڑھا کر دیا۔ اس وقت آپؓ کی عمر ۴۵ برس کے لگ بھگ تھی۔ امام حسنؓ نے کئی سالوں سے مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کر لی تھی اور حضرت زینبؓ بھی اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ مدینہ میں قیام پذیر ہو گئیں تھیں۔

امام حسنؓ کی شہادت کے بعد حضرت زینبؓ کی زندگی کا اہم ترین دور شروع ہوا۔ واقعہ کربلا میں حضرت زینبؓ کی شرکت، ان کا کردار اور حادثہ کربلا سے بعد کی تفصیلات کو تاریخ کے سیکروں صفحات نے اپنے دامن میں سمیٹا ہوا ہے۔ وہ مصائب و آلام کے ایسے طوفانوں سے گزریں جنہیں قلمبند کرتے ہوئے قلم کانپتا ہے اور سینہ شق ہوتا ہے۔ تمام مؤرخین متفق ہیں کہ خاتون جنت سیدہ فاطمہؓ کی اس مظلوم بیٹی سے زیادہ صفحۂ ہستی پر کسی خاتون نے مصیبتیں نہیں اٹھائیں۔ انہوں نے اپنے نانا خیر البشر اور ختم الرسل کی رحلت کو دیکھا اپنی دل شکستہ ماں کو مولائے حقیقی کے پاس جاتے دیکھا۔ اپنے باپ فاتح خیبر کو زہر آلود خنجر کا شکار ہوتے دیکھا۔ اپنے شفیق برادر بزرگ کے قلب و جگر کے ٹکڑے کٹ کٹ کر گرتے دیکھے اور پھر دشت نینوا ریگ زار کربلا میں جو کچھ انہوں نے دیکھا تمام امت احمد مجتبیٰ تا قیامت اس پر نوحہ کناں رہے گی۔ حادثہ کربلا ہماری کتاب کا موضوع نہیں ہے لیکن زینب کبریٰ کی حیات طیبہ کے حالات بیان کرتے ہوئے ناممکن ہے کہ کسی قدر تفصیل سے کام نہ لیا جائے۔

امام حسنؓ کی شہادت کے بعد امیر معاویہؓ اور امام حسینؓ کے تعلقات میں چنداں ناخوشگواری کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی۔ چنانچہ امیر معاویہؓ نے ایک دفعہ امام حسینؓ کی بھانجی ام کلثوم کی شادی کا پیغام دیا۔ عبداللہ بن جعفرؓ نے کہا کہ یہ اختیار ان کے ماموں حسینؓ کو ہے۔ جب امام حسینؓ سے اس معاملہ میں سلسلہ جنبانی کی گئی تو انہوں نے انکار کر دیا اور ام کلثوم کا نکاح قاسم بن محمد بن جعفر طیار سے کر دیا۔

۵۶ھ میں امیر معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کے لئے اہل مدینہ کی بیعت لینی چاہی۔ معدودے چند لوگوں کے سوا تمام اہل مدینہ نے بیعت کر لی۔ ان بیعت نہ کرنے والوں میں امام حسینؓ بھی شامل تھے۔ امیر معاویہؓ نے ان سے چنداں تعرض نہ کیا۔

۶۰ھ میں امیر معاویہؓ نے وفات پائی اور امام حسینؓ کے بارے میں یزید کے لئے وصیت چھوڑی کہ میرے بعد اہل عراق تمہارے مقابلہ میں حسین کو ضرور کھڑا کریں گے اس لئے جب وہ تمہارے مقابلہ پر کھڑے ہوں اور تم ان کو مغلوب کر لو تو درگزر سے کام لینا۔ کیونکہ وہ قرابت دار بڑے حقدار اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز ہیں۔

امیر معاویہؓ کی وفات کے وقت عبداللہ بن زبیرؓ اور امام حسینؓ بنی امیہ کے مخالفین میں سب سے زیادہ بااثر شخصیتوں کے مالک تھے۔ یزید کے تخت نشیں ہوتے ہی حاکم مدینہ ولید بن عتبہ کو تاکیدی حکم بھیجا کہ عبداللہ اور حسین سے فی الفور میری بیعت لو۔ ولید نے انہیں بیعت کے لئے بلایا لیکن امام حسینؓ نے عذر کیا اور مہلت چاہی۔ ولید رضا مند ہو گیا۔ امام حسینؓ نے واپس آ کر اپنے بھائی محمد بن حنفیہؓ سے مشورہ کیا۔ انہوں نے مکہ جانے کا مشورہ دیا چنانچہ آپؓ اپنے عزیز واقربا اور اہل وعیال کو ساتھ لے کر راتوں رات عازم مکہ ہوئے۔ ان سے پہلے عبداللہ بن زبیرؓ بھی خفیہ طور پر مکہ چلے گئے تھے۔ مکہ پہنچ کر امام حسینؓ نے شعب ابی طالب میں قیام فرمایا۔ اس وقت انہیں اہل کوفہ کی طرف سے بلاوے پر بلاوا آنا شروع ہو گیا۔ بے شمار خطوط اور پیغامات امام حسینؓ کو موصول ہوئے تھے جن میں اہل کوفہ انہیں کوفہ پہنچنے کی دعوت دے رہے تھے۔ اور حلف اٹھا اٹھا کر التجائیں کر رہے تھے کہ آپؓ کوفہ تشریف

لا کر اپنی خلافت کے لئے بیعت لیجئے ہم فاسق وفاجر یزید کی بیعت نہیں کریں گے۔

امام حسینؑ مکہ کی فضا کو بھی سازگار محسوس نہیں کر رہے تھے کیونکہ مکہ کے اکثر لوگ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے حامی تھے۔ چنانچہ آپ اہل کوفہ کے پیہم پیغامات کو رد نہ کر سکے اور کوفہ جانے کا قصد فرمایا۔ ان کے خیر خواہوں نے انہیں مشورہ دیا کہ کوفہ کے لوگ قابل اعتماد نہیں ہیں۔ آپؑ کوفہ نہ جائیں۔ حضرت زینبؑ نے بھی یہی مشورہ اپنے محبوب بھائی کو دیا۔ اور پھر عرض کیا کہ پہلے کسی کو بھیج کر حالات کا اندازہ اچھی طرح کرلیں۔ امام حسینؑ کو یہ صائب مشورہ پسند آیا۔ اور انہوں نے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیلؑ کو اپنا نائب اور سفیر بنا کر کوفہ روانہ کیا۔ جب مسلمؑ کوفہ پہنچے تو اہل کوفہ نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور ہزار ہا اہل کوفہ نے ان کے ہاتھ پر امام حسینؑ کی بیعت کرلی۔ حالات سازگار پاکر حضرت مسلم بن عقیلؑ نے امام حسینؑ کو پیغام بھیج دیا کہ آپؑ کوفہ تشریف لے آئیں۔

جب مسلم بن عقیلؑ کے قاصد عبداللہ بن سنانؓ کے ذریعہ امام حسینؑ کو اہل کوفہ کی عقیدت کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے مکہ سے سفر کی تیاری شروع کردی۔ حضرت عمرو بن عبدالرحمنؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور دوسرے ہوا خواہوں نے انہیں بہت روکا لیکن انہوں نے فرمایا کہ دعوت حق دینے سے میں باز نہ رہوں گا۔ اور جو لوگ حق کے متلاشی ہیں انہیں مایوس نہ کروں گا۔ مکہ میں خوں ریزی مجھے پسند نہیں، کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کعبہ کی بے حرمتی ہو۔ مشیت الٰہی کے سامنے میرا سر خم ہے اور میں کوفہ ضرور جاؤں گا۔ اس کے بعد ۸؍ ذی الحجہ ۶۰ھ کو آپؑ اپنے اہل بیت اور معتقدین کے ہمراہ مکہ سے کوفہ کی طرف چل پڑے۔ چھوٹی بچی صغریٰ بیمار تھیں۔ انہیں آپؑ نے ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کے سپرد کیا۔

حضرت زینبؑ اپنے گھر بار والی تھیں۔ چاہتیں تو سفر کی صعوبتیں اور آئندہ خطرات کے پیش نظر مکہ ہی میں قیام پذیر رہ سکتی تھیں، لیکن انہیں اپنے بھائی، ان کے بچوں اور دوسرے اقربا سے والہانہ محبت تھی۔ گوارا نہ کیا کہ حسین تنہا یہ پُر خطر سفر اختیار کریں۔ اپنے دو فرزندوں عون اور محمد سمیت حسین کے قافلہ میں شامل ہوگئیں۔ ان کے شوہر عبداللہ بن جعفرؓ کہاں تھے۔ وہ امام حسینؑ کے ساتھ کیوں نہ گئے اس کے متعلق مؤرخین میں سخت اختلاف ہے۔

ایک روایت ہے کہ وہ مکہ ہی میں تھے۔ اور ان لوگوں کے ہم خیال تھے جو امام حسینؑ کے سفر کوفہ سے متفق نہیں تھے۔ جب امام حسینؑ مکہ سے چلے گئے تو حضرت زینبؑ نے اپنے شوہر سے ان کے ساتھ جانے کی اجازت مانگی، عبداللہ بن جعفرؓ بہن بھائیوں کی محبت سے آگاہ تھے۔ انہوں نے حضرت زینبؑ کو امام حسینؑ کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی۔ چند منزلوں کے بعد حضرت عبداللہ بن جعفرؓ اپنے دو بیٹوں عون اور محمد کے ہمراہ اس جماعت سے آملے اور بہت کوشش کی کہ امام حسینؑ واپس لوٹ چلیں لیکن وہ رضامند نہ ہوئے عبداللہ بن جعفرؓ نے اپنے بیٹوں کو جناب امام کی خدمت میں پیش کیا اور انہیں ہدایت کی کہ اگر خدانخواستہ ماموں پر کوئی مصیبت آئے تو ان کے لئے سینہ سپر ہوجانا۔ اس کے بعد وہ خود مکہ مکرمہ واپس چلے گئے۔

دوسری روایت ہے کہ عبداللہ بن جعفرؓ علیل تھے اور سفر کرنے کے قابل نہیں تھے۔ اس لئے خود تو مکہ ہی میں رہے اور اپنی اہلیہ حضرت زینبؑ اور بچوں عون اور محمد کو امام حسینؑ کے ہمراہ بھیج دیا۔

ایک تیسری روایت ہے کہ عبداللہ بن جعفرؓ امام حسینؑ کے وقت میں بصرہ میں تھے۔ جب انہیں جناب امام کے سفر

کوفہ کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے خود بھی حضرت امام حسینؑ کو خط لکھا کہ خدارا آپؑ واپس لوٹ آئیں۔ اور اموی حاکم عمر و بن سعید کا خط بھی امام حسینؑ کو بھیجوایا۔ جس میں اس نے امام عالی مقام سے تعرض نہ کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اور انہیں مکہ واپس لوٹنے کی ترغیب دی تھی۔

ایک اور روایت کے مطابق حضرت عبداللہ ابن جعفرؓ اس وقت مدینہ میں تھے۔ وہاں سے انہوں نے پہلے تو امام حسینؑ کو خط لکھا کہ آپ کوفہ کے سفر کا ارادہ ترک کر دیں۔ اور پھر خود بھی اپنے دو بیٹوں عون اور محمد کو ساتھ لے کر اور اموی حاکم عمر بن سعید سے امام حسینؑ کے لئے امان نامہ لکھوا کر تنعیم کے مقام پر امام حسینؑ سے آ کر ملے۔ امام عالی مقام نے فرمایا کہ میں نے خواب میں اپنے نانا جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے انہوں نے مجھے ایک حکم دیا ہے میں اس حکم کو ضرور پورا کروں گا۔ اور واپس نہ لوٹوں گا۔ عبداللہ بن جعفرؓ نے اپنے فرزندوں کو ماموں کے پاس چھوڑا اور خود واپس لوٹ گئے۔

عبداللہ بن جعفرؓ کے قافلۂ حسینی میں شرکت نہ کرنے کا سبب خواہ کچھ ہی ہو لیکن یہ بات ثابت ہے کہ ان کی اہلیہ محترمہ حضرت زینبؑ اور ان کے فرزند عون و محمد امام حسینؑ کے قافلہ میں شامل تھے۔

ادھر امام حسینؑ کوفہ کے سفر پر روانہ ہوئے۔ ادھر کوفہ میں حالات کا پانسہ پلٹ گیا۔ پہلے پہل تو کوفیوں نے مسلم بن عقیلؓ کا دم بھرا۔ اور حسینؑ پر جانیں قربان کرنے کے حلف اٹھائے، لیکن جب یزید نے نعمان بن بشیر کو کوفہ کی امارت سے معزول کر کے عبید اللہ بن زیاد کو وہاں کا حاکم بنا بھیجا اور اس نے سختی سے کام لیا۔ تو اہل کوفہ مسلم بن عقیلؓ کا ساتھ چھوڑ گئے۔ عبیداللہ بن زیاد نے انہیں گرفتار کر کے نہایت بے دردی سے شہید کرا دیا۔ شہادت سے پہلے انہوں نے محمد بن اشعث سے فرمایا:

''تم میرے بچانے پر قادر نہیں ہو لیکن کسی طرح میرا یہ پیغام حسینؑ تک پہنچا دینا کہ وہ کوفہ والوں پر ہرگز ہرگز اعتبار نہ کریں۔ اور جہاں تک پہنچ چکے ہوں وہیں سے لوٹ جائیں''۔ محمد بن اشعث نے مسلم بن عقیلؓ کا پیغام بھجوا دیا۔ لیکن اس وقت تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ مسلم بن عقیلؓ کو شہید کرنے کے بعد ان کے دو خردسال بچوں محمد اور ابراہیم کو بھی سنگدل عبیداللہ نے پکڑوا کر شہید کرا دیا۔

امام حسینؑ جوں جوں کوفہ کی طرف بڑھتے انہیں تشویشناک خبریں ملتیں۔ جب وہ ثعلبہ کے مقام پر پہنچے تو بنو اسد کے ایک شخص نے جو کوفہ سے آ رہا تھا۔ انہیں مسلم، ان کے بچوں اور ہانی کی شہادت کی خبر دی۔ مسلم بن عقیل نہایت زیرک اور شجاع تھے۔ اور فی الحقیقت امام حسینؑ کا ایک قوی بازو تھے۔ ان کی شہادت کی خبر سن کر جناب امام کو سخت صدمہ پہنچا۔ مسلم بن عقیلؓ کے بھائیوں نے کہا کہ خدا کی قسم جب تک اپنے بھائی کا بدلہ نہ لے لیں گے یا قتل نہ ہو جائیں گے۔ اس وقت تک واپس نہ لوٹیں گے۔ امام حسینؑ نے فرمایا جب تم لوگ نہ ہوئے تو ہماری زندگی کس کام کی۔ اس وقت امام حسینؑ کے قافلہ میں بے شمار لوگ راستے سے شامل ہو گئے تھے۔ آپؑ نے سب ساتھیوں کو جمع کیا اور فرمایا:

''کوفیوں نے ہمارے ساتھ غداری کی ہے ان سے مدد کی توقع نہیں تم لوگوں کی محبت وعقیدت کا میں شکر گزار ہوں لیکن میں نہیں چاہتا کہ تم لوگ میری وجہ سے اپنی جانیں خطرہ میں ڈالو۔ اس نے تم میں سے جو شخص جانا چاہے جا سکتا ہے، اس پر کوئی الزام نہیں۔''

یہ اعلان سن کر تمام لوگ اپنے گھروں کی لوٹ گئے اور صرف آپؑ کے اہل بیت اور وہی مخصوص جاں نثار باقی رہ

گئے جو مکہ سے ساتھ آئے تھے۔

۲ رمحرم ۶۱ھ کو امام حسینؑ کا قافلہ ریگ زار کربلا میں اترا حر بن یزید تمیمی کے مقام سے اس قافلہ حق کے ارد گرد منڈلا رہے تھے۔ ۳ رمحرم کو عمرو بن سعد چار ہزار فوج کے ہمراہ کربلا پہنچا۔ یہ امام حسینؑ کا عزیز تھا، لیکن رے کی حکومت کے لالچ میں اپنے ضمیر کو کچل دیا تھا نہ معلوم کس خیال کے زیر اثر کربلا پہنچ کر امام حسینؓ سے گفتگو کی طرح ڈالی۔ انہوں نے فرمایا مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں مکہ یا مدینہ چلا جاؤں گا۔ عمر بن سعد نے امام حسینؑ کا جواب ابن زیاد کو لکھ بھیجا۔ اس نے حکم بھیجا۔ حسینؓ پہلے میری اطاعت کریں پھر دیکھا جائے گا۔ اس کے بعد دوسرا حکم بھیجا۔ حسینؓ اور ان کے رفقاء پر پانی بند کردو۔

عمرو بن سعد نے اس حکم کی تعمیل میں ۷ رمحرم ۶۱ھ کو فرات پر پہرہ بٹھا دیا لیکن ۹ رمحرم تک جنگ ٹالتا رہا کہ شاید مفاہمت کی کوئی صورت نکل آئے۔ ادھر ابن زیاد بے تاب ہوگیا اس نے شمر ذی الجوشن کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ میں نے تمہیں حسینؓ کی خیر خواہی کے لئے نہیں بھیجا اگر ان سے بیعت نہیں لے سکتے یا نہیں گرفتار کر سکتے تو فوج شمر کے حوالہ کردو۔ اب عمرو بن سعد کی عقل وخرد بالکل جواب دے گئی اور وہ سبط رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے تیار ہوگیا۔

نو اور دس محرم ۶۱ھ کی درمیانی شب امام حسینؓ اور ان کے جاں نثاروں کی اس عالم فانی میں آخری شب تھی۔ امام عالی مقام نے اپنے رفقاء کو جمع کیا اور فرمایا:

> ''میرے دوستو! میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم نے نہایت ثابت قدمی سے میرا ساتھ دیا۔ تمہارے جیسے نیک اور وفادار ساتھی میں نے کہیں نہیں دیکھے۔ اور اپنے خاندان سے زیادہ نیکوکار اور صلہ رحمی کرنے والا کوئی دوسرا گھر نہیں دیکھا۔ خداوند تعالیٰ تم کو جزائے خیر دے۔ کل کے دن میرے دشمنوں اور میرے درمیان آخری فیصلہ ہو جائے گا۔ میں تم لوگوں کو بخوشی واپس جانے کی اجازت دیتا ہوں۔ رات کا وقت ہے۔ میرے اہل خاندان کو ساتھ لو۔ اور اپنے اونٹوں پر سوار ہوکر اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ۔ تا آنکہ خدا یہ مصیبت آسان کردے۔

سید الشہداء کے مٹھی بھر ساتھیوں نے یہ تقریر سنی۔ موت سامنے نظر آرہی تھی۔ لیکن جس جرأت، وفاداری، شجاعت اور استقامت کا مظاہرہ انہوں نے کیا۔ تا قیامت جن وبشران سب پر سلام بھیجتے رہیں گے۔ امام مظلوم کے ساتھ وفاداری نے انہیں حیات جاوید عطا کردی۔ سب نے بیک آواز رقت انگیز لہجے میں کہا:

> ''اے فرزند رسول ہمارے ماں باپ آپ پر قربان۔ کیا ہم آپ کا ساتھ اس لئے چھوڑ دیں کہ آپ خنجروں اور تیروں کا نشانہ بن جائیں اور ہم زندہ رہیں۔ خدا ہمیں اس دن کے لئے باقی نہ رکھے''۔

ان نفوسِ قدسی کے جواب سے جناب امام اشکبار ہوگئے بے اختیار دعاء کے لئے ہاتھ اُٹھائے فرمایا: اے اللہ انہیں جزائے خیر دے۔ آج انہوں نے اس بیکسی میں میرا ساتھ دیا ہے حشر کے دن بھی انہیں میرا ساتھی بنائیو''۔

اس کے بعد امام حسینؓ اور ان کے ساتھی ہتھیارون کی صفائی میں مصروف ہوگئے۔

زینبؓ کبریٰ کو ہونے والے واقعات کا اندازہ ہوگیا تھا۔ سخت بے چین تھیں۔ لیکن صبر سے کام لے رہی

تھیں۔ جب امام حسینؑ کی تلوار صاف کی جانے لگی تو انہوں نے چند عبرت انگیز اشعار پڑھے۔ اس وقت وہ بے اختیار ہوگئیں۔ درد والم سے چیخیں نکل گئیں۔فریاد فریاد پکارتی تھیں۔اور کہتی تھیں اے کاش آج کا دن دیکھنے کے لئے میں زندہ نہ رہتی۔ہائے میرے نانا، میری ماں، میرے باپؑ، میرے بھائیؑ، سب داغِ مفارقت دے گئے۔اے بھائی اب ہمارا سہارا آپؑ ہی ہیں۔ہم آپؑ کے بغیر کیسے ذرا چین سے رہنے۔ اس جواب سے حضرت زینبؑ کی آہ وزاری میں اورشدت پیدا ہوگئی۔فرمایا؛ میری ماں جائے آپ کے بدلہ میں میں اپنی جان دینا چاہتی ہوں۔

امام حسینؑ اپنی محبّ بہن کی دل دوز باتیں اور فریاد وفغاں سن کر اشکبار ہوگئے۔لیکن نہایت حوصلہ سے فرمایا:

''اے بہن صبر کرو، خدا سے تسکین حاصل کرو ، خدا کی ذات کے سوا ساری کائنات کے لئے فنا ہے۔ ہمارے نانا خیر البشر کی ذات اقدس نمونہ ہے۔تم انہیں کے اسوہ حسنہ کی پیروی کرنا۔اے بہن تمہیں خدا کی قسم ہے اگر میں راہ حق میں شہید ہو جاؤں تو میرے ماتم میں گریبان نہ پھاڑنا۔ چہرہ کو نہ نوچنا اور بین نہ کرنا''۔

اس وصیت کے بعد امام حسینؑ خیمہ سے باہر تشریف لا آئے۔اور صبح صادق تک تمام مقدس مہمان کربلا تسبیح وتہلیل میں مصروف رہے۔

شب عاشورہ ختم ہوئی اور عاشورہ کا آفتاب قیامت صغریٰ اپنے جلو میں لئے ہوئے نمودار ہوا، امام حسینؑ سمیت بہتر نفوس قدسی ایک طرف تھے اور اشقیاء پر مشتمل فوج دوسری طرف۔لڑائی پہلے جناب امام اوران کے چند ساتھیوں نے نہایت دلدوز تقریریں کی۔جن میں دشمنوں کو ترغیب دی کہ وہ اپنی عاقبت خراب نہ کریں ۔لیکن سوائے ایک مردمومن حر بن یزید تمیمی کے ان بدبختوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ (بعض روایتوں کے مطابق حر بن یزید تمیمی کا بیٹا بھی امام حسینؑ کے جھنڈے تلے آکر اپنی عاقبت سنوار گیا۔) جس وقت امام حسینؑ تقریر فرمارہے تھے ۔ شدت الم سے حضرت زینبؑ اور دوسری خواتین اہل بیت کی چیخیں نکل گئیں۔آپؑ نے عباسؑ اور علیؑ کو انہیں خاموش کرانے کے لئے بھیجا اور فرمایا''میری عمر کی قسم ابھی ان کو بہت رونا ہے''۔

اس کے بعد مبارزت شروع ہوئی۔دونوں طرف سے ایک ایک آدمی میدان میں نکلتا اور اپنے حریف سے لڑتا۔حسینی فوج کے کچھ مجاہدین نے جامِ شہادت پیا اور بہت سے عراقی بھی جنم واصل ہوئے۔اس کے بعد عام لڑائی شروع ہوئی۔حر بن یزید اور دوسرے جاں نثاران اہل بیت نہایت پامردی سے لڑے۔دشمنوں کی صفیں درہم برہم کردیں۔لیکن دونوں جماعتوں کی تعداد میں کوئی نسبت نہ تھی۔ دوپہر تک یہ تمام مردان حق دادِ شجاعت دیتے ہوئے دوش رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوار پر قربان ہوگئے۔اس کے بعد نوجوانانِ اہل بیت کی باری آئی کہ سب سے پہلے شبیہ پیغمبر علی اکبر بن حسین میدان میں آئے اس شجاعت سے لڑے کہ اپنے داداذ والفقار کی یاد تازہ کردی جب کئی دشمن انہوں نے مار گرائے تو سیکڑوں لعینوں نے انہیں نرغہ میں لے کر شہید کردیا۔حضرت زینبؑ نے اپنے اس بھتیجے کو بڑے نازونعم سے پالا تھا۔خیمہ کے روزن سے جب انہوں نے علی اکبرؑ کو خاک وخون میں لوٹتے دیکھا تو بے تاب ہوگئیں۔ یاابن اخاہ! کہتی ہوئیں دیوانہ وار خیمہ سے باہر دوڑیں اور علی اکبرؑ کی لاش سے چمٹ گئیں۔جناب امامؑ نے انہیں وہاں سے ہٹا کر خیمہ کے اندر بھیجا اور جوان فرزند کی لاش اٹھا کر خیمہ سے سامنے لے آئے۔

علی اکبرؑ کے بعد عبد اللہ بن مسلم بن عقیلؑ، احمد بن

حسینؓ، ابوبکر عبداللہ بن حسنؓ، عبدالرحمٰن بن عقیلؓ، جعفر بن عقیلؓ، عبداللہ بن عقیلؓ، عمر بن علیؓ، عثمان بن علیؓ اور دوسرے اعزہ سوائے سات نفوس کے ایک ایک کر کے نہایت شجاعت سے لڑتے ہوئے راہِ حق میں شہید ہو گئے۔

اب حضرت زینبؓ نے اپنے کم سن فرزندوں عون اور محمد کو رزمگاہ میں بھیجنے کی اپنے محبوب بھائی سے اجازت چاہی۔ انہوں نے ان مہ پاروں کو لڑائی میں بھیجنے سے پس وپیش کیا۔

حضرت زینبؓ روتی ہوئی بھائی کے گلے سے لگ گئیں اور عرض کی۔ بھائی میرا دل نہ توڑو عون ومحمد کو پال پوس کر میں نے اسی لئے بڑا کیا ہے کہ اپنے ماموں پر جانیں نثار کریں۔ اس سے بڑھ کر مصیبت کا دن کبھی نہ آئے گا۔ ادھر زینبؓ نے ادھر بچوں نے اجازت کے لئے اصرار کیا۔ جناب امام مجبور ہو گئے۔ روتے ہوئے ہچکی بندھ گئی۔ اور بچوں کو گلے سے لگا کر شہادت کی جانب روانہ کیا۔ حضرت زینبؓ نے انہیں رخصت کرتے ہوئے نصیحت کی، میرے فرزندو آج اپنے نانا علی اور دادا جعفر طیار کی روحوں کو شرمندہ نہ کرنا اور میدان جنگ میں پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا۔

عون اور محمد نے دشمانِ دین پر ایک زبردست حملہ کیا۔ بظاہر بچے تھے لیکن بنت حیدر زینبؓ کبریٰ کا دودھ پیا ہوا تھا۔ بڑوں سے بڑھ کر شجاعت دکھائی۔ کئی بدبخت ان کی تلواروں کا شکار ہوئے۔ آخر انہوں نے نرغے میں لے کر تلواروں اور نیزوں کی بارش کردی اور زینبؓ کبریٰ کے یہ دونوں لال بقائے دوام کے تاج سروں پر پہن کر عازم خلد بریں ہوئے، دکھیاری زینبؓ اور مظلوم ماموں کے قلب وجگر کے ٹکڑے اڑ گئے۔ لیکن آسمان کی طرف نظر کی اور خاموش ہو گئے۔

عون ومحمد کی شہادت کے بعد خانوادۂ نبوت کے باقی مجاہدین نے بھی ایک ایک کر کے جامِ شہادت پیا۔ اب حضرت امام حسینؓ تنہا رہ گئے۔ زین العابدین بیمار تھے۔ اور لڑائی کرنے کے قابل نہیں تھے۔ انہیں اللہ اور اپنی بہن زینبؓ کے سپرد کیا۔ اور سب کو خدا حافظ کہہ کر فرزند رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آخری سفر پر روانہ ہوئے۔ پیاس کا غلبہ تھا۔ اپنے جگر کے ٹکڑوں اور جاں نثاروں کی شہادت سے دل ٹوٹا ہوا تھا۔ لیکن اس قیامت کا حملہ کیا کہ دشمنوں کے پاؤں کے بادل چھٹ گئے۔ شیر خدا حیدر کرارؓ کے فرزند جس طرف رخ کرتے صفوں کی صفیں الٹ کر رکھ دیتے۔ شامی بار بار نرغہ کرتے تھے۔ لیکن جوں ہی شمشیر حسینی چمکتی بھاگ کھڑے ہوتے۔ دوشِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سوار اب زخموں سے چور چور ہو چکا تھا۔

ہر طرف سے نیزوں، خنجروں، تیروں، تلواروں کا مینہ برس رہا تھا۔ اتنے میں حصین بن نمیر نے ایک تیر پھینکا جو گلوئے مبارک میں پیوست ہو گیا، دہن مبارک سے خون کا فوارہ پھوٹ نکلا اپنے چلو میں تھوڑا سا خون لے کر آسمان کی طرف اچھالا اور فرمایا:

''مولا جو کچھ تیرے محبوب کے نواسہ کے ساتھ
کیا جا رہا ہے تجھی سے اس کی فریاد کرتا ہوں''۔

اپنے جلیل القدر بھائی کی عاشق زار بہن زینبؓ دل پر ہاتھ رکھے آفتاب امامت کی حالت دیکھ رہی تھیں جب انہیں خون کی کلیاں کرتے دیکھا تو دوڑتی ہوئی رزمگاہ کے قریب ایک ٹیلے پر کھڑی ہو کر پکاریں۔

''اے عمرو سعد کیا قیامت ہے۔ ابوعبداللہ قتل
کئے جا رہے ہیں اور تم دیکھ رہے ہو''۔

عمرو بن سعد کی آنکھوں پر لالچ نے پردہ ڈال دیا تھا۔ لیکن قرابت دار تھا فرط ندامت سے حضرت زینبؓ کی طرف سے منہ پھیر لیا۔

جناب امام کی حالت اب لحہ لحہ غیر ہوتی جا رہی تھی۔

انہوں نے ہر طرف سے گھیر لیا تھا۔ زرعہ بن شریک تمیمی کے ہاتھ اور گردن پر تلوار چلائی۔ سنان بن انس نے نیزہ مار کر آپؑ کو زمین پر گرا دیا۔ پھر سنان بن انس (اور بعض روایتوں کے مطابق شمر ذی الجوشن نے اس مبارک گردن پر نیزہ پھیر دیا۔ جس پر رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم بوسے دیا کرتے تھے۔ شہادت کے وقت جناب امامؑ کے جسم مبارک پر تمیں زخم تلوار کے تینتیس زخم نیزہ کے اور لاتعداد زخم تیروں کے تھے۔

میدان کربلا میں سنگ دل شامیوں کا دل ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے سیدۃ النساء کے لال کا سر مبارک نیزہ پر چڑھایا۔ اور تمام شہیدانِ راہِ حق کے مقدس جسموں کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کیا۔ پھر انہوں نے اہل بیت کا سامان توٹا۔ ایک بدبخت امام زین العابدینؒ کو شہید کرنا چاہتا تھا لیکن عمرو بن سعد نے کہا کہ اسے زندہ یزید کے سامنے پیش کریں گے۔

ایک روایت ہے کہ جب ایک بدبخت نے حضرت زین العابدینؒ کو شہید کرنا چاہا تو حضرت زینبؓ آڑے آئیں اور فرمایا خدا کی قسم جب تک میں زندہ ہوں اس بیمار کو کوئی قتل نہیں کرسکتا۔ ان کا عزم دیکھ کر بدبخت اپنے ارادہ سے باز آ گیا۔

۱۲ ارمحرم الحرام ۶۱ ھ کو تمام پسماندگان کو جن میں کچھ خواتین بچے اور عابد بیمار تھے اسیر کر کے کوفہ کی طرف لے چلے۔ شہداء کے لاشے ابھی میدان کربلا میں بے گوروکفن ہی پڑے تھے۔ جب یہ ستم زدہ قافلہ ان کے پاس سے گزرا تو اس میں ماتم بپا ہو گیا۔ حضرت زینبؓ کبریٰ رو رو کر کہتی تھیں۔

اے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم آیئے دیکھئے آپ کے حسین کا خون آلود لاشہ چٹیل میدان میں پڑا ہے۔ اس کا جسم ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا ہے۔

آپ کی لڑکیاں رسیوں میں جکڑی ہوئی ہیں۔

آپ کی ذریت قتل کر کے گرم ریت پر بچھا دی گئی ہے اور اس پر خاک اُڑ رہی ہے۔

اے میرے نانا یہ آپ کی اولاد ہے جسے ہنکایا جا رہا ہے۔ ذرا حسین کو دیکھئے اس کا سر کاٹ لیا گیا ہے اور چادر چھین لی گئی ہے۔

زینب کبریٰؓ کا یہ نوحہ سن کر دوست دشمن رو تے تھے۔

جب اسیران حق کا لٹا ہوا قافلہ کوفہ میں داخل ہوا تو ذلیل کوفی ہزاروں کی تعداد میں انہیں دیکھنے جمع ہو گئے۔ بدعہد اور دغا باز کوفیوں کے ہجوم کو دیکھ کر شیر خدا کی بیٹی بے اختیار ہو گئی اور بازار کوفہ میں انہوں نے بآواز بلند پکارا۔

''لوگو اپنی نظریں نیچی رکھو یہ محمد رسول اللہ کی لٹی ہوئی اولاد ہے''۔

اس کے بعد آپؓ نے اہل کوفہ کے سامنے عبرت انگیز خطبہ دیا۔ سارا مجمع بالکل ساکت و جامد ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حیدر کرار تقریر فرما رہے ہیں۔ خدائے تعالیٰ اور رسول کی حمد و سپاس کے بعد آپؓ نے فرمایا ''اے مکارو۔ اے عہد شکنو! اے اپنی زبان سے پھر جانے والو۔ خدا کرے تمہاری آنکھیں ہمیشہ روتی رہیں۔ تمہاری مثال ان عورتوں کی سی ہے جو خود ہی سوت کاتتی اور پھر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے۔

تم نے خود ہی میرے بھائی سے رشتۂ بیعت جوڑا۔ اور پھر اپنے خبیث باطن کی وجہ سے اسے توڑ ڈالا۔ تمہارے دلوں میں کھوٹ اور کینہ ہے۔ تمہاری فطرت میں جھوٹ اور دغا ہے۔ جو شاید شیخی خوری اور عہد شکنی تمہارے خمیر میں ہے تم نے جو کچھ آگے بھیجا ہے وہ بہت بُرا ہے۔

تم نے خیر البشر کے فرزند کو جو جنت کے جوانوں کے سردار ہیں، شہید کیا ہے۔ خدا کا قہر تمہارا انتظار کر رہا ہے۔

آہ کوفہ والو! تم نے ایک بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا جو منہ بگاڑ دینے والا اور مصیبت میں مبتلا کر دینے والا ہے۔

یاد رکھو تمہارا رب تعالیٰ نافرمانیوں کی تاک میں رہتا ہے اس کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔

اس خطبہ کو سن کر اکثر کوفیوں کے ضمیر نے ان پر لعنت بھیجی روتے روتے ان کی گھگھی بندھ گئی۔ حذلم بن کثیر جو عرب کے فصیح ترین آدمیوں میں شمار ہوتا تھا۔ وہ بھی حضرت زینبؓ کا خطبہ سننے والوں میں شامل تھا۔ خطبہ سن کر وہ ان کے زور بیان وفصاحت وبلاغت سے دنگ رہ گیا اور بے ساختہ کہنے لگا واللہ اے علیؓ کی بیٹی تمہارے بڑھے سب بڈھوں سے۔ تمہارے جوان سب جوانوں سے تمہاری عورتیں سب عورتوں سے اور تمہاری نسل سب نسلوں سے بہتر ہے جو حق بات کہنے میں کسی سے نہیں ڈرتی۔

دوسرے دن ابن زیاد نے دربار منعقد کیا۔ اسیرانِ اہل بیت کو اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ حضرت زینبؓ بہت خستہ حالت میں تھیں۔ ابن زیاد نے پوچھا یہ عورت کون ہے؟

ایک لونڈی نے کہا ''زینب بنت علیؓ ہیں''

ابن زیاد نے کہا۔ خدا کا شکر ہے جس نے تمہیں رسوا کیا اور تمہاری جدتوں کو جھٹلایا۔

حضرت زینبؓ نے نہایت دلیری سے جواب دیا: خدا کا شکر ہے جس نے اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہمیں جرأت بخشی۔ انشاء اللہ فاسق رسوا ہوں گے اور جھٹلائے جائیں گے۔

ابن زیاد نے کہا۔ تم نے دیکھا تمہارے بھائی اور اس کے ساتھیوں کا کیا حشر ہوا؟

حضرت زینبؓ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں درجۂ شہادت پر فائز کیا۔ عنقریب وہ اور تم دادِ محشر کے سامنے جمع ہوں گے اس وقت تمہیں پتہ چل جائے گا کس کا کیا حشر ہوتا ہے۔

ابن زیاد جھلا کر بولا بنی ہاشم کے سب سے زیادہ سرکش آدمی کے قتل سے میرا دل ٹھنڈا ہو گیا ہے۔

حضرت زینبؓ کو ابن زیاد کے اس طرح اظہار مسرت کرنے سے بڑا دکھ ہوا۔ ان کا آبگینہ دل حوادث کربلا سے ٹوٹ چکا تھا۔ بے اختیار رو پڑیں اور فرمایا:

''میری عمر کی قسم تو نے ہمارے گھر والوں کو نکالا۔ ہمارے ادھیڑوں کو قتل کیا۔ ہماری شاخوں کو کاٹا اور ہماری جڑوں کو اکھاڑا۔ اگر اسی سے تمہارا دل ٹھنڈا ہونا تھا تو ہو گیا۔

اس کے بعد ابن زیاد کی نظر حضرت زین العابدینؒ پر پڑی پوچھا ''لڑکے تم کون ہو؟''

آپؒ نے جواب دیا ''علی ابن حسین''۔

ابن زیاد نے عمرو بن سعد سے پوچھا اسے کیوں نہیں قتل کیا۔ اس نے جواب دیا، بیمار ہے، ابن زیاد نے کہا اسے میرے سامنے قتل کرو۔

حضرت زینبؓ یہ حکم سن کر تڑپ گئیں اور بولیں۔ اے ابن زیاد کیا تو ابھی تک ہمارے خون سے سیر نہیں ہوا۔ کیا سا نقاہت اور بیماری کے مارے ہوئے مصیبت زدہ بچے کو بھی مارو گے۔ اگر اسے قتل کرنا ہے تو اس کے ساتھ مجھے بھی مار ڈال یہ کہہ کر حضرت زین العابدین کے ساتھ چمٹ گئیں۔ ابن زیاد کے دل میں کچھ خیال آ گیا اور اس نے حکم دے دیا کہ اس لڑکے کو عورتوں کے ساتھ رہنے کے لئے چھوڑ دو چند دن بعد ابن زیاد نے شہدا کے سر اور اسیران اہل بیت کو فوج کے پہرے میں دمشق روانہ کر دیا۔

کوفہ سے دمشق تک کے طویل سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد اسیران اہل بیت یزید کے دربار میں پیش کئے گئے۔ ایک سرخ رنگ کے شامی نے فاطمہ بنت علی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ امیر المؤمنین یہ لڑکی مجھے دے دیجئے۔ زینبؓ تڑپ اٹھیں اور بولیں۔ خدا کی قسم یہ لڑکی نہ تجھ کو مل سکتی ہے اور نہ یزید کو جب تک کہ وہ اللہ کے دین سے نہ نکل

جائے۔ شامی نے دوبارہ یہی سوال کیا لیکن یزید نے اسے روک دیا۔

جب امام حسینؓ کا سر مبارک یزید کے سامنے پیش کیا گیا تو خواتین، اہل بیت رونے لگیں۔ حضرت زینبؓ نے سر اقدس سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

اے حسین! اے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دلبند، اے دوش پیغمبر کے سوار۔ اے فاطمہ زہراؓ کے لخت جگر اے جنت کے جوانوں کے سردار۔

یزید نے پوچھا یہ عورت کون ہے؟ اسے بتایا گیا کہ حسینؓ کی چھوٹی بہن زینبؓ ہیں۔ یزید نے حضرت زینبؓ سے مخاطب ہو کر کہا کیا تمہارا بھائی یہ نہیں کہتا تھا کہ میں یزید سے بہتر ہوں اور میرا باپ یزید کے باپ سے بہتر تھا۔

حضرت زینبؓ نے دلیری سے جواب دیا ''بیشک میرا بھائی سچ کہتا تھا''۔

یزید نے کہا میری عمر کی قسم حسینؓ کے نانا میرے دادا سے بہتر تھے حسینؓ کی ماں میری ماں سے بہتر تھیں۔ رہا میرا باپ اور حسینؓ کا باپ تو سب کو معلوم ہے خدا نے کس کے حق میں فیصلہ دے دیا۔

اس پر حضرت زینبؓ نے یزید اور اس کے اہل دربار کو مخاطب کر کے ایک دردناک تقریر کی۔ انہوں نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا ''اے یزید گردش فلک اور ہجوم آفات نے مجھے تجھ سے مخاطب کرنے پر مجبور کر دیا یاد رکھ رب العزت ہم کو زیادہ عرصہ تک اس حال میں نہ رکھے گا۔ ہمارے مقاصد کو ضائع نہ کرے گا۔ تو نے ہمیں نقصان نہیں پہنچایا۔ اپنے آپ کو پہنچایا ہے۔ آہ تیرے آدمیوں نے دوشِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوار اس کے بھائیوں، فرزندوں اور رفقاء کو نہایت بیدردی سے ذبح کر دیا۔ تو نے پردہ نشینانِ اہل بیت کی بے حرمتی کی۔ اے کاش تو اس وقت شہیدانِ کربلا کو دیکھ سکتا تو اپنی ساری دولت وحشمت کے بدلے ان کے پہلو میں کھڑا ہونا پسند کرتا ہم عنقریب اپنے نانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ان مصائب کو بیان کریں گے۔ جو تیرے بیدرد ہاتھوں سے ہمیں پہنچے ہیں۔ اور یہ اس جگہ ہو گا جہاں اولاد رسول اور ان کے ساتھی جمع ہوں گے اور ان کے چہروں کے خون اور جسموں کی خاک صاف کی جائے گی جہاں ظالموں سے بدلہ لیا جائے گا حسینؓ اور ان کے ساتھی مرے نہیں اپنے خالق کے پاس زندہ ہیں اور وہی ان کے لئے کافی ہے۔ وہ عادل حقیقی انبیاء کی اولاد اور ان کے ساتھیوں کو قتل کرنے والوں سے ضرور بدلہ لیا جائے گا وہی ہماری امید گاہ ہے اور اسی سے ہم فریاد کرتے ہیں''۔

حیدر کرارؓ کی بیٹی کی گرج سن کر اور اس کے درباری سکتے میں آ گئے۔ یزید کو خوف محسوس ہوا کہ کہیں لوگ اہل بیت کی حمایت میں میرے خلاف نہ اٹھ کھڑے ہوں۔ اس نے خواتین اہل بیت کو اپنے خاص حرم میں سرا میں ٹھہرایا اور جہاں تک ہو سکا ان کی دل جوئی کی کوشش کی۔ چند دنوں کے بعد اس نے نعمان بن بشیر کی زیر حفاظت قافلہ اہل بیت کو مدینہ روانہ کر دیا۔ جب قافلہ چلنے لگا تو حضرت زینبؓ نے فرمایا'' محملوں پر سیاہ چادریں ڈال دو تا کہ دیکھنے والوں کو پتہ چل جائے کہ یہ سیدۃ النساء کی دل فگار اولاد ہے''۔

نعمان بن بشیر نے جہاں تک ہو سکا ان مصیبت زدہ مسافروں کی مدد کی اور جہاں تک ہو سکا راستہ میں انہیں کوئی تکلیف نہ ہونے دی۔ جب یہ قافلہ کربلا پہنچا تو حضرت جابر بن عبداللہ اور بنی ہاشم کے کچھ لوگ پہنچے ہوئے تھے۔ حضرت زینبؓ نے شدت الم میں پکارا۔ اے بنی ہاشم تمہارا چاند غروب ہو گیا۔ اے میرے نانا کے صحابی تو نے جس کو اپنے آقا کے دوشِ مبارک پر سوار دیکھا تھا اس کا جسم اطہر گھوڑوں کے سموں سے پامال ہو گیا۔ اس کے بعد اس قدر روئیں کہ بے ہوش

ہوگئیں۔ دوسرے لوگوں میں ماتم بپا ہوگیا۔ جب قافلہ مدینہ پہنچا تو دن ڈھل چکا تھا۔ فاتح خیبر کی غیور بیٹیوں زینبؑ اور فاطمہؑ نے نعمان بن بشیر کو اس کے حسن سلوک کے عوض اپنی چوڑیاں اتار کر بھیجیں اور فرمایا کہ اس وقت ہمارے پاس اور کچھ نہیں کہ تیری خدمت کا معاوضہ دیں۔

نعمان بن بشیر اشکبار ہوگیا اور کہا۔ ''اے بنات رسول خدا کی قسم میں نے جو کچھ کیا صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کیا ہے۔ حضرت زینبؑ نے اس کے لئے دعائے خیر کی۔

اس دن سارا مدینہ منورہ سوگوار تھا۔ ہزاروں لوگوں نے روتے ہوئے ان لٹے ہوئے مسافروں کی پیشوائی کی۔

حضرت زینبؑ نے روضہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مخاطب ہوکر عرض کیا۔ ''اے میرے مقدس نانا جان میں آپ کے فرزند اور اپنے بھائی حضرت حسینؑ کی شہادت کی خبر لائی ہوں۔ آپ کی اولاد کو سیوں میں باندھ کر بے پردہ کوفہ اور دمشق کی گلیوں میں پھرایا گیا۔ حضرت زینبؑ کے ان الفاظ سے لوگوں کی چیخیں نکل گئیں۔ پھر وہ اپنی ماں سیدہ فاطمہ الزہراؑ کے مزار پر حاضر ہوئیں اور اس درد سے روئیں کہ پتھروں کا کلیجہ بھی پانی ہوتا تھا۔ اس کے بعد اپنے خاندان کے دوسرے لوگوں سے ملیں انہیں اپنی روداد غم سنائی اور صبر کی تلقین کی۔

بے پناہ مصائب نے حضرت زینبؑ کبریٰ کے دل وجگر کے ٹکڑے اڑا دیئے تھے۔ مدینہ منورہ پہنچنے کے تھوڑے عرصہ بعد ہی ۶۲ ہجری میں اپنی جان آفریں کے سپرد کی۔ اور یوں یتیمانِ اہل بیت کی سرپرست، شہدائے کربلا کی یادگار اور دشمنوں کے خوف سے ڈرانے والی بے مثال خطیبہ اپنے محبوب ومظلوم بھائی سے جنت الفردوس میں جاملیں۔

ایک روایت کے مطابق آپؑ اپنے شوہر عبداللہ بن جعفرؓ کے ساتھ شام چلی گئیں۔ دمشق کے پاس حضرت عبداللہ کی کچھ زمینداری تھی وہاں پہنچنے کے چند ماہ بعد ہی بیمار ہوگئیں اور وہیں رحلت فرمائی۔

ایک روایت کے مطابق حضرت زینبؑ شہیدانِ کربلا کے مصائب نہایت درد انگیز لہجہ میں کمال فصاحت وبلاغت سے لوگوں کو سناتی تھیں۔ جس سے لوگ سخت متاثر ہوتے اور ان میں اہل بیت کی حمایت کا جذبہ پیدا ہوتا۔ عامل مدینہ نے ان حالات کی اطلاع یزید کو دی۔ اس نے حکم بھیجا کہ زینبؑ کو کسی دوسرے شہر میں بھیج دو۔ حضرت زینبؑ نے پہلے تو جانے سے انکار کردیا پھر بعض ہوا خواہوں کے سمجھانے بجھانے سے رضا مند ہوگئیں۔ اور سکینہؑ و فاطمہؑ بنات حسینؑ اور کچھ دوسری قرابت دار خواتین کے ہمراہ مصر چلی گئیں وہاں کے والی مسلمہ بن مخلد انصاری نے ان کی نہایت عزت وتکریم کی اور اپنے دارالاقامہ میں انہیں ٹھہرایا۔ تقریباً ایک سال کے بعد حضرت زینبؑ نے ۵ رجب ۶۲ھ کو وہیں رحلت فرمائی۔

واللہ اعلم بالصواب

☆☆☆

حسینی ذہن و دل زینب حسینی دست و پا زینب
حقیقت میں تمہیں ہو فاتحِ کرب و بلا زینب

ایک عجیب وغریب عظیم حادثہ جو دنیا والوں کیلئے ایک عبرت ناک واقعہ بن گیا

"طیراً ابابیل"

مختار احمد کاشف
(ماخوذ)

اس حیرت انگیز واقعہ نے نہایت دوررس اثرات چھوڑے اورجس کی داستانوں کو تاریخ نے آج تک زندہ رکھا ہے۔ قرآن الکریم بھی اس واقعہ کی سچائی بیان کرتا ہے۔

قوم سبا کی اولاد بنی حمیر اور بنی کہلان کے بادشاہوں کا سلسلہ زمانہ قدیم سے سرزمین یمن پر حکمران چلا آرہا تھا۔ طویل دور گزر گیا، اس سرزمین میں انبیاء ورسل بھی مبعوث ہوتے رہے حتی کہ اس کے شاہی تخت پر زرعہ بن تبان اسعد المعروف ذونواس متمکن ہوا۔ اس نے یہودیت کو گلے سے لگایا اوران کی حمایت میں اپنی شاہانہ طاقت کام میں لانے لگا۔ چنانچہ تمام غیر یہودی اقوام سے جنگ مول لینے لگا یمن کے شمال میں جو اہل نجران کی قوم آباد تھی اور نصرانیت کو اپنائے ہوئے تھی۔ زرعہ نے سب سے پہلے ان کے خلاف جنگی مشقیں ترتیب دیں۔ جابجا ان کے لیے گڑھے کھود کر آگ کے الاؤ روشن کیئے۔ جوان میں سے اپنے دین کا منکر نہ ہوتا اس کو آگ میں جھونک دیتا یہ تمام کارروائی یہودیت نوازی پرمبنی تھی۔ اس آتش عذاب سے دوس زرثعبان نامی شخص بچ نکلا۔ وہ دو بڑی مسیحی طاقتوں قیصر روم اور نجاشی حبشہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اس نے دونواس سے انتقام لینے کو ان دوطاقتوں سے امداد کی درخواست کی کہ نجران میں عیسائیت کو آزادی کی فضا سے دوبارہ ہم کنار کیا جائے۔ حسن اتفاق سے شاہ نجاشی اور قیصر روم دونوں نے اس کی درخواست منظور کرلی۔ چنانچہ شاہ حبشہ نے حبشہ کے نو جوانوں پر مشتمل ایک عظیم لشکر روانہ کیا۔ اور قیصر نے جہاز روانہ کیئے، جنہوں نے اسی حبشی فوج کو حبشہ کے ساحل سے یمن کی بندرگاہ تک پہنچانے کا ذمہ لیا۔

یہ جنگ ذونواس کو مہنگی پڑی۔ اس نے بُری طرح شکست کھائی۔ پناہ لینے کی خاطر سمندر میں کود پڑا اور غرق ہوگیا حبشی فوج کامرانی کے جھنڈے لہراتی ہوئی یمن میں داخل ہوگئی اور اس طرح یمن عیسائیت کے پرچم تلے آگیا۔

ابرھہ نے دیکھا کہ اہل یمن خاص موسم میں بڑے بڑے قافلے بنا کر نہایت اہتمام سے مکہ میں بیت اللہ کا حج کرنے جاتے ہیں۔ اس سفر کی تیاری بڑے تزک واحتشام سے کی جاتی ہے اس کو یہ گوارا نہ ہوا لہٰذا صنعاء میں ایک زیارت گاہ تعمیر کرائی جس سے مقصد یہ تھا کہ اہل یمن اور تمام اہل عرب کی توجہ بیت اللہ سے پھیر کر اس مصنوعی زیارت گاہ

پر مبذول کی جائے۔

اس نے نہایت خوبصورت، بلند و بالا گرجا تلبس کے نام پر تعمیر کیا۔ پرشکوہ عمارت اور نجی کاری کے کام سے مزین دیواریں بنوائیں اور قیمتی موتیوں اور جواہرات سے چھتوں کو آراستہ کیا اس تمام کارروائی سے اس بے مرکزی حکومت شاہ حبشہ کو بھی اطلاع دی جس پر اس نے ابرہہ کے اس کارنامے کی تحسین کی اور کلی طور پر اس سے اتفاق کیا۔

ابرہہ نے غضبناک ہو کر قسم کھائی کہ وہ مکہ جا کر اس گھر کی اینٹ سے اینٹ بجادے گا جس کی زیارت کو ہر سال اہل عرب جمع ہوتے ہیں۔ اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کی ٹھان لی اور حبشی فوج کے ایک عظیم لشکر کی کمان خود ابرہہ نے کی وہ فوج کے آگے آگے نجاشی کے شاہی ہاتھی محمود نامی پر سوار تھا یہ ہاتھی خاص اسی مقصد کیلئے نجاشی نے ابرہہ کو بھیجا تھا تاکہ اس ہونے والی جنگ میں جلد سے جلد حبشی فوج کو کامیابی نصیب ہو۔

ابرہہ مکہ پر چڑھائی کی نیت سے زبردست فوج کے ہمراہ مغرورانہ انداز میں نکلا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ کعبہ کو ضرور منہدم کر کے لوٹوں گا۔

ابرہہ کا عزم یمنی قبائل اور اکثر اہل عرب کو معلوم ہو چکا تھا تمام قبائل میں ابرہہ کے خلاف نفرت وغصہ کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ ان کو ایک گھڑی کے لیے بھی یہ گوارہ نہ تھا کہ ان کی زیارت گاہ خانہ کعبہ کو کوئی نقصان پہنچے۔ قبائل کے سر برآوردہ لوگوں اور نوجوانوں نے عزم کیا کہ ابرہہ کے لشکر کو کچل کر رکھ دیں گے۔ لہٰذا خانہ کعبہ تک پہنچنے کا راستہ اس کے لیے اتنا تنگ کر دیا کہ وہ ایک قدم بھی آگے بڑھ نہ سکے۔

یمنی سرداروں میں سے ایک سردار جس کا نام ذونفر تھا اپنی قوم کے بہادروں کے ساتھ ابرہہ کے مقابلہ کو نکلا متفرق قبائل عرب کے کچھ اور نوجوان بھی آکر ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ یہ لوگ حبشی فوج کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے اپنی جنگی صفیں درست کیں اور تیروں اور نیزوں سے فوج کا مقابلہ کرنے لگے۔ دونوں طرف سے خونریز جنگ ہونے لگی لیکن کثرت ساز وسامان اور زبردست فوج کی وجہ سے ابرہہ کو کامیابی ہوئی۔ ذونفر کو قید کر کے ابرہہ کے حضور پیش کیا گیا ابرہہ نے حکم دیا کہ اس کی گردن اڑا دی جائے مگر ذونفر نے ابرہہ سے درخواست کی کہ اے بادشاہ! مجھے قتل نہ کر بہت ممکن ہے کہ میری زندگی تیرے لئے کارآمد ثابت ہو۔

لہٰذا ابرہہ نے اس کو قید کر دینے کا حکم دے دیا اور قتل کی سزا معاف کر دی۔ اس نے حکم دیا کہ اس کو بیڑیوں میں جکڑ کر قید خانہ میں بھیجا جائے۔

ابرہہ اپنے عظیم الشان لشکر کے ہمراہ شمال کی طرف بڑھتا رہا اس کا خیال تھا کہ ذونفر کی فوج کی شکست کے بعد عربی قبیلوں میں میری دھاک بیٹھ گئی ہوگی۔ اب میں بلا مقابلہ کامیاب ہو جاؤں گا۔ اچھا ہوا یہ جنگ میرے مقصد کے لئے بڑی مفید ثابت ہوئی اب کوئی قبیلہ میری راہ میں حائل ہونے کا خیال تک نہ کر سکے گا۔

لیکن اس کا یہ خیال غلط نکلا۔ قبائل عرب میں سے جس قبیلے پر اس کا گزر ہو رہا تھا وہ قبیلہ ہی بیت اللہ کی مدافعت میں ابرہہ سے جنگ کرنے کو اپنا دینی فریضہ سمجھتا تھا۔ ان کے نزدیک ضروری تھا کہ ابرہہ کے لشکر کے مقابلے پر سینہ سپر ہو کر اس کی قوت کو پارہ پارہ کر دے۔ ابرہہ کا عزم ان کے خیال میں نہایت خوفناک گناہ کا عزم تھا قبیلوں کے لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

کیا اس نو وارد حبشی ابرہہ کو یوں ہی آزاد چھوڑ دیں کہ جس طرح چاہے جا کر کعبہ کی بے حرمتی کرے۔ یہ ہرگز نہیں ہونے دیا جائے گا۔

چنانچہ لڑنے کے ارادے سے خثعم کے قبائل میں سے دو قبیلے شاہران اور ناہن اُٹھ کھڑے ہوئے ۔ ان دونوں فوجوں کی کمانیں نفیل بن حبیب خثعی نے سنھالیں ۔لیکن ان دونوں قبیلوں کا انجام بھی یمنی قبائل کے انجام سے کچھ مختلف نہ ہوا۔ یعنی عربوں کی شکست ہوئی اور نفیل کو ذونفر کی طرح بیڑیوں میں جکڑ کر قید کر دیا گیا۔

نفیل نے ابرہہ سے معافی مانگتے ہوئے اور اس کا اطاعت گزار بن کر رہنے کا وعدہ کرتے ہوئے کہا:

''اے بادشاہ! مجھے قتل نہ کرو میں راہ میں تیرا رفیق سفر بن کر رہنمائی کروں گا۔ دیکھ میرے دونوں ہاتھ تیری فرماں برداری اور اطاعت کے لئے دراز ہیں''۔

ابرہہ آگے روانہ ہوا۔ اس کے ہمراہ اب راستہ بتلانے والا رہنما بھی تھا جو صحرائے عرب کے وسط میں راستہ متعین کرنے میں اس کو مفید ثابت ہوا تھا۔ اس طرح وہ چلتے چلتے طائف کے قریب جا پہنچا۔

اہل طائف سراسیمہ تھے۔ ان کو شدید اضطراب نے گھیر لیا وہ خیال کرنے لگے کہ غالباً ابرہہ اپنے لاؤلشکر سمیت ان کے عبادت خانہ 'لات' کو بھی اسی طرح برباد کرڈالنے کا فیصلہ کر کے نکلا ہے جس طرح کہ خانہ کعبہ کو برباد کرنا چاہتا ہے۔ وہ لوگ لات کی پرستش اور تعظیم کرتے تھے۔ بعض قبائل اس کی زیارت کو بھی اس طرح آیا کرتے تھے جس طرح خانہ کعبہ کی۔

طائف والوں کا ایک وفد ابرہہ کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی! اے بادشاہ! خدارا ہمارے معبود کو کوئی نقصان نہ پہنچا تو اس معبد کے ارادے سے نہیں نکلا۔ تیرا مقصد صرف یہ کہ مکہ پہنچ کر بیت الحج کو مسمار کرے۔

ابرہہ نے ان سے پوچھا۔ کیا مکہ یہاں سے دور ہے انہوں نے جواب دیا ہمارے اور اس کے درمیان کئی روز کی مسافت ہے۔ ہم آپ کے ہمراہ راستہ بتلانے والا آدمی کئے دیتے ہیں۔

ابرہہ اس جواب سے بہت خوش ہوا۔ اس نے طائف میں بسنے والے ثقیف کے قبیلوں سے اس پیشکش پر سمجھوتہ کرلیا۔ طائف والوں نے ایک شخص بطور رہنما ہمراہ کردیا اس شخص کا نام ابورغال تھا۔

ابورغال ابرہہ کے لشکر کے ساتھ ہو گیا اور ابرہہ کا لشکر چلتا رہا حتی کہ اس نے اس لشکر کو مقام مغمس پر پہنچ اُتارا۔ یہ مقام مکہ سے دو تہائی فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ مقام مغمس پر پہنچ کر ابو رغال مرگیا۔ اس کی میت کو لشکریوں نے دفن کیا اور یہاں سے ابرہہ نے اپنے فوجی آدمیوں میں سے ایک آدمی اسود بن مقصود کو لشکر کی ایک مختصر جماعت پر متعین کردیا جن کا کام یہ تھا کہ راستہ کی دیکھ بھال کریں اور اردگرد کے حالات کا اندازہ کریں۔

اسود اپنے ماتحتوں کے ساتھ روانہ ہوا۔ وادیٔ مکہ کے قریب پہنچا اور وہاں سے اس نے بطحائے مکہ کا رخ کیا اس جگہ چند چرواہے اہل تہامہ اور سرداران قریش کی بکریوں اور اونٹوں کو چرا رہے تھے۔ اسود نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ان مویشیوں پر دھاوا بول دیا اور جس قدر ہاتھ لگے اپنے ساتھ ہنکا لئے۔ ان مویشیوں میں دوسو اونٹ عبدالمطلب بن ہاشم کے بھی تھے جو اس وقت قریش کے بہت بڑے سردار تصور کئے جاتے تھے۔

چرواہوں نے پریشان ہوکر کوہ صفا میں پناہ لی وہ چیخ چیخ کر اپنے آقاؤں اور مویشیوں کے مالکوں کو پکار رہے تھے۔

اے ہمارے آقاؤ! ہم لٹ گئے۔ نووارد حبشوں نے ہم پر ہلہ بول دیا ہے یہ ہماری چراگاہوں میں لوٹ مار کررہے ہیں۔

چرواہوں کا شور سن کر قریش اور ہذیلی کے کچھ لوگ

حالات کی خبر گیری کیلئے دوڑے۔ ان کو معلوم ہوا کہ ابرہہ حبش کی فوج مکہ کے قریب پہنچ چکی ہے اور اس کا مداوہ صرف مال و مویشی لوٹ لینے تک محدود نہیں بلکہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ بیت اللہ کو بھی مسمار کردیں۔

اہل مکہ غضب ناک ہوگئے۔ اپنے گھر بار اور مال واملاک کی طرف سے مدافعت کی ان کو اس کی فکر نہ تھی جس قدر خانہ کعبہ کا تقدس واجلال ان کو مدافعت کی طرف دعوت دے رہا تھا۔ دفاعی حمیت میں ان کا اردہ ہوا کہ ان لٹیروں سے پہلے ہی نمٹ لیا جائے۔ ان سے نہ صرف اپنے مویشی واپس لیے جائیں بلکہ ایسی سرزنش کی جائے کہ وہ بھی یادرکھیں۔

لیکن ان کی سرفروشی کے یہ ولولے سخت نرم میں تحلیل ہوگئے۔ جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ ان لٹیروں کے پیچھے جنگی سامان سے لیس اور ہر قسم کے اسلحہ سے بھرپور ایک زبردست لشکر پڑاؤ کئے ہوئے ہے۔ یہ مکیوں کو اپنی کمزوری اور اپنی ناطاقتی کے احساس نے قدم اٹھانے سے روک لیا۔ وہ غم کے روپ میں غوطے کھانے لگے۔

معاملہ سربرآوردہ لوگوں تک پہنچا سب وہی تھے کہ کیا کریں اور اس صورت حال سے کیونکر عہدہ برآ ہوں؟

اسود اہل مکہ کی چیزیں اور تمام مویشی لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔

ابرہہ نے اپنی فوج کے ایک چالاک وزیرک ترجمن حناط حمیری کو طلب کیا۔ یہ حمیری قبیلہ کا ایک یمنی باشندہ تھا۔ ابرہہ نے اس کو ترجمانی کے فرائض سونپتے ہوئے کہا۔

حناط! مکہ جاؤ شہر میں داخل ہوکر وہاں کے سرداروں سے ملو۔ ان سے کہو کہ ہمارا بادشاہ تم سے لڑنے نہیں آیا اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ کعبہ کو مسمار کیا جائے اگر تم اس مقصد میں حائل نہ ہوئے تو مقابلہ اور خون ریزی کی نوبت ہرگز نہ آئے گی وہ فضول تمہارا خون بہانا نہیں چاہتا۔ اگر وہ ہماری اس پیشکش کو تسلیم کریں اور نہ لڑنے کا وعدہ کریں تو ان کے بڑے سردار کو ہمارے پاس لے آنا۔

حناط مکہ میں داخل ہوا تو اس نے لوگوں سے دریافت کرنا شروع کردیا کہ یہاں کے باشندوں میں بڑا سردار اور رئیس قوم کون ہے؟ اور کہاں رہتا ہے؟

اُسے بتلایا گیا کہ وہ قریش کا رئیس قبیلہ عبدالمطلب بن ہاشم ہے۔ لوگوں نے اس سردار کی بیٹھک کا بھی پتہ دیا۔ حناط عبدالمطلب کی بیٹھک کی طرف روانہ ہوگیا۔ وہاں پہنچ کر ایک باوجاہت شیخ سے ملا اور ابرہہ کا پیغام پہنچایا۔ عبدالمطلب نے جواب میں کہا۔

خدا کی قسم! ہمارا اردہ بھی ابرہہ سے لڑنے کا نہیں ہے، نہ ہم میں جنگ کی سکت ہے۔ یہ خداوند تعالیٰ کا مقدس گھر ہے جسے اس کے دوست ابراہیم (علیہ السلام) نے تعمیر کرایا تھا۔ اب اگر اللہ تعالیٰ اپنے اس گھر کو بچانا چاہتا ہے تو وہ چاہے ابرہہ سے نمٹے چاہے ابرہہ کے ہاتھوں اسے تباہ کرائے، ہم درمیان میں دخل نہ دیں گے۔

حناط نے یہ سنا تو عبدالمطلب سے کہا اچھا تو میرے ساتھ بادشاہ سلامت کی خدمت میں چلو۔ مجھے حکم ملا تھا کہ میں آپ سے اس گفتگو کے بعد آپ کو بادشاہ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوں۔

عبدالمطلب حناط کے ہمراہ روانہ ہوئے ان کے ساتھ مکہ کے کچھ سربرآوردہ لوگ اور ان کے چند لڑکے بھی ہوگئے راستہ کی گفتگو میں عبدالمطلب کو حناط سے عرب کے ان دو قبیلوں کا حال معلوم ہوا جو جنگ کے ارادہ سے ابرہہ کے راستہ میں حائل ہوکر لڑے اور بالآخر شکست سے دوچار ہوئے۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ان قبیلوں کے سردار ذونفر اور نفیل بن حبیب کو قیدی بنا کر ابرہہ نے اپنے ہمراہ لایا ہے۔

ذونفر۔عبدالمطلب کا بہت گہرا دوست تھا وہ جب بھی حج بیت اللہ کو آتا تو دونوں میں گرمجوشی سے ملاقات ہوتی۔ عبدالمطلب بھی موسم سرما میں تجارت کی غرض سے جب یمن جاتے تو ذونفر سے ضرور ملتے تھے۔عبدالمطلب نے حناط سے کہا اچھا!ابرہہ کے پاس لے جانے سے پہلے ذونفر سے ملاؤ کیونکہ میری اس سے پرانی جان پہچان ہے۔

عبدالمطلب لشکر میں پہنچے تو پہلے یہ ذونفر کے قید خانہ میں پہنچائے گئے عبدالمطلب نے کہا۔

ذونفر! یار یہ جو مصیبت آن پڑی ہے اس بارے میں تمہارا کیا مشورہ ہے اور تم کیا مدد کر سکتے ہو؟

ذونفر نے بڑے افسوس سے کہا۔

عبدالمطلب ۔ایک قیدی آدمی جو طاقتور بادشاہ کے پنجوں میں پھنسا ہوا ہے تمہاری کیا مدد کر سکتا ہے؟

معلوم نہیں یہ مجھے صبح وشام میں کب قتل کر ڈالے،تم پر جو مصیبت آئی میں اس میں تمہاری مدد نہیں کر سکتا ہوں البتہ شاہی ہاتھی ''محمود'' کا ہاتھی بان انیس ایک بااخلاق آدمی تھا۔ وہ میرا دوست بن گیا ہے میں اس کو یہ پیغام بھیجوں گا کہ تمہارے ساتھ ہمدردی کا سلوک کرتے ہوئے وقت ضرورت ابرہہ سے کوئی اچھی سفارش کر دے۔

عبدالمطلب نے کہا بس بس!میرے لیے یہی کافی ہے۔

ذونفر نے کسی کے ذریعہ انیس کو اپنے پاس بلایا اور کہا:

دیکھو! یہ قریش کا سردار اور اہل مکہ میں سربرآوردہ ہستی عبدالمطلب ہے یہ وہ شخص ہے جو بھوکوں اور مسافروں کے ساتھ ہمدردی کرتا ہے۔بھوکے پرندوں اور جانوروں کو روزی دیتا ہے اپنے بادشاہ ابرہہ کے سامنے تمہیں ان کی مدد کرنی چاہئے۔

انیس نے کہا۔ بے فکر رہو۔ میں اس کام کے لئے بخوشی حاضر ہوں۔

عبدالمطلب بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے تو انہوں نے اس کے متعلق ابرہہ سے اپنی نیک سفارش پیش کی ۔اس وقت ابرہہ ایک عظیم الشان خیمہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ یہ شاہی خیمہ تمام لشکر کے وسط میں تھا۔ بادشاہ کے گرد قالینوں پر حسب مراتب کچھ اور ندماء بھی حاضر تھے۔ اس تمام شکوہ وشان کے باوجود ابرہہ نے جب دور سے عبدالمطلب کو آتا دیکھا تو عبدالمطلب کی ہیبت وعظمت اور وقار سے کچھ ایسا مرعوب ہوا کہ اسی کی تعظیم واکرام کیلئے اس کو کھڑا ہونا پڑا۔ ابرہہ دل میں سوچ رہا تھا کہ بلند کردار کا آدمی معلوم ہوتا ہے عبدالمطلب سامنے آیا تو ابرہہ نے ایک قالین پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور بعد میں اُسے احساس ہوا کہ عبدالمطلب کا مقام ہمارے مقام سے فروتر نہیں ہونا چاہئے۔ چنانچہ وہ اسی کرسی سے اتر کر وہیں آ بیٹھا جہاں عبدالمطلب بیٹھے تھے۔عبدالمطلب کے باوقار چہرہ کے نقوش نے ابرہہ کو تعظیم واحترام کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ابرہہ نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے حناط کو اپنی طرف متوجہ کیا جو پہلے ہی سے ابرہہ اور عبدالمطلب کے مابین ہونے والی گفتگو کے فرائض ترجمانی ادا کرنے کیلئے مقرر ہو چکا تھا۔

ابرہہ نے کہا:ان سے پوچھو کیا چاہتے ہو؟

حناط نے عبدالمطلب سے یہ سوال کیا تو عبدالمطلب نے کہا میں چاہتا ہوں کہ بادشاہ سلامت میرے وہ دوسو اونٹ واپس کر دیں جوان کے فوجی سپاہی چراگاہ سے پکڑ لائے ہیں۔

کچھ دیر کیلئے ابرہہ کی زبان دہشت کے مارے گنگ سی ہوگئی۔ جب اس نے اپنے ترجمان سے سنا کہ عبدالمطلب اپنے اونٹوں کی واپسی کا مطالبہ کر رہے ہیں اس نے اپنے ترجمان سے کہا:

میں نے جب تمہیں دور سے دیکھا تو میرے دل پر ایک ہیبت سوار ہوگئی تھی۔ پھر میں نے تمہاری گفتگو میں بھی ایک شان خودداری پائی لیکن حیران ہوں کہ تم مجھ سے اپنے دوسو

اونٹوں کے متعلق تو گفتگو کر رہے ہو لیکن اپنے گھر کے متعلق ایک مرتبہ بھی نہیں کہتے جو تمہارے آباء واجداد کے دین کا مرکز وقبلہ ہے کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں اسے مسمار کرنے آیا ہوں تم اس سے متعلق گفتگو کیوں نہیں کرتے؟

اس پر عبدالمطلب کا جوابی ردعمل یہ تھا کہ انہوں نے بالاعتماد قومی آواز میں کہا! میں اونٹوں کا مالک ہوں رہا بیت اللہ کا معاملہ تو خدا خود اس کی نگہداشت کرے گا۔ عبدالمطلب کے جواب پر ناظرین حیران ہو گئے کہ آیا یہ جواب ان کو الہام ہوا تھا یا جو کچھ انہوں نے کہا وہ ان کی وقتی ژرف نگاہی کی صدا تھی۔

ابرہہ نے عبدالمطلب کی تردید کرتے ہوئے کہا تمہارے اس گھر کو میرے ہاتھوں سے کوئی طاقت نہیں بچا سکے گی۔

عبدالمطلب نے جواب دیا خیر مجھے اس سے کوئی غرض نہیں تم جانو تمہارا کام جانے۔

عبدالمطلب اور ابرہہ کے درمیان گفتگو ختم ہوگئی۔ لیکن وہ لوگ جو عبدالمطلب کے ساتھ آئے تھے جن میں بنی بکر کا سردار حناط بن ...... تھا اور بنو ہذیل کا سردار خویلد بن واثلہ ہذلی بھی تھا۔ ابرہہ کی خدمت میں آداب بجالا کر عرض کرنے لگے: اے بادشاہ اپنی سخاوت ورحم دلی کو بروئے کار لاتے ہوئے کعبۃ اللہ کو منہدم کرنے سے باز آ۔

دراصل یہ لوگ مقصد بھی یہی لے کر چلے تھے چنانچہ ان کے خیال میں بھی وقت تھا کہ اپنی درخواست ابرہہ کے حضور میں پیش کریں۔ ابرہہ سے درخواست کرتے ہوئے ان لوگوں نے یہ بھی کہا کہ اگر ہماری درخواست منظور کر لی جائے تو ہم تہامہ کی کئی پیداوار کا ایک تہائی پیش خدمت کریں گے۔ لیکن ابرہہ نے کوئی بات نہ سنی وہ جس ارادے سے آیا تھا اسی پر ڈٹا رہا ان لوگوں کے ساتھ گفتگو کے دوران ہی اٹھ کھڑا ہوا اور بات جہاں تھی وہیں ادھوری رہ گئیں۔

عبدالمطلب اور ان کے رفقاء مکہ شہر میں واپس آ گئے۔ عبدالمطلب اپنے تمام اونٹ لے آئے۔ مگر یہ لوگ ناکام ونامراد لوٹ آئے۔ کعبہ کی سلامتی کے سلسلہ میں ابرہہ نے ان کو قطعاً مایوس لوٹایا۔

کعبہ سے متعلق صورت حال پر غور کرنے کیلئے تمام معزز لوگوں کا اجتماع ہوا اور عبدالمطلب نے ان کو ابرہہ کے عزائم سے آگاہ کیا۔ جوشیلے نوجوانوں نے تجویز پیش کی کہ ہمیں کعبہ کی عزت وناموس کی خاطر ابرہہ کے خلاف تلوار اٹھانی چاہئے۔ چاہے اس کا نتیجہ کچھ بھی ہو۔ ہم کعبہ کو اپنے سروں کا نذرانہ پیش کر دیں گے۔

عبدالمطلب نے کہا! اے مکہ کے باشندو! تم لوگ اپنی قوت وبہادری کے باوجود ابرہہ سے ٹکر نہیں لے سکتے۔ اس کا نتیجہ صرف موت ہوگا۔ میری رائے ہے کہ تمام مرد کفن پہن کر مکہ کی سرحد پر جمع ہو جائیں تاکہ ابرہہ کی فوج ہمارے جسموں کو پامال کر کے ہی مکہ میں داخل ہو سکے اور عورتیں بچے اور بوڑھے گھروں میں رہ کر دعا کریں۔ مجھے اُمید ہے کہ رب کعبہ ہمارے خلوص کا نذرانہ قبول کرے گا۔

خانہ کعبہ کا متولی ہونے کی وجہ سے عبدالمطلب کی تجویز کو سب لوگوں نے اتفاق رائے سے منظور کر لیا۔

وقت آ چکا تھا کہ ابرہہ آگے بڑھے اور جس مقصد کی خاطر وہ نکلا ہے اسے عملی جامہ پہنائے وہ بہت جلد کعبہ کی عمارت پر کدالوں کی پیہم ضربیں لگانا چاہتا تھا چنانچہ اس نے فوج کے نوجوانوں کو حکم دیتے ہوئے کہا۔

کل صبح ہم ضرور مکہ کی عبادت گاہ کو منہدم کر دینے کیلئے شہر میں داخل ہو جائیں گے۔ سب تیار ہو جاؤ۔

صبح ہوئی تمام فوجی شہر میں داخل ہونے کی تیاری میں مصروف نظر آ رہے تھے۔ وہ اس کے لئے ہمہ تن تیار تھے کہ اہل شہر نے اگر ہمارا مقابلہ کیا تو جانوں کی بازی لگا کر ان کے مقابلہ کا جواب دیں گے۔ لشکر میں حرکت ہوئی ہر فوجی اپنے

اپنے ہتھیاروں، نیزوں اور زرہوں سے آراستہ تھا کہ اچانک نفیل بن حبیب محمود ہاتھی کے پاس آ کھڑا ہوا۔ جو حبشہ سے ابرہہ کی سواری کے واسطہ لایا گیا تھا۔ اس نے ہاتھی سے مخاطب ہو کر چپکے چپکے اس کے کانوں میں کہا:

محمود! بیٹھ جا، جہاں سے آیا ہے وہیں واپس ہو جا تیرے لئے اسی میں خیر ہے۔ یاد رکھ یہ بلد حرام ہے نفیل نے ہاتھی کو چھوڑا اور جلدی جلدی قدم اُٹھاتا کسی پہاڑ پر چلا گیا۔ اور وہیں کسی چٹان کے پیچھے چھپ رہا۔ اس کے بعد ہاتھی بان واپس آیا وہ ابرہہ کی سواری کیلئے ہاتھی کو تیار کر رہا تھا لیکن وہ سخت حیران و متعجب تھا۔ حیرانی میں اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔۔۔۔۔!

اس نے دیکھا کہ ہاتھی ایک عجیب حالت میں مبتلا ہے۔

حقیقت یہ تھی کہ نفیل نے جو کچھ ہاتھی سے کہا اس نے اس کی تعمیل کی۔ وہ بیٹھا ہوا تھا کسی طرح اُٹھنے کا نام نہ لیتا تھا۔ انیس حیران و پریشان کھڑا تھا گویا اس کو سکتہ ہو گیا تھا۔ کیونکہ اس سے پہلے ہاتھی کبھی اس طرح نہ بیٹھا رہا تھا۔ تعجب ہے۔۔ عجیب معاملہ ہے۔

انیس نے جلدی سے اس ہاتھی کی خبر ارد گرد کے لوگوں کو پہنچائی۔ وہ جلدی جلدی بھاگتے ہوئے ہاتھی کی حالت کا مشاہدہ کرنے آ رہے تھے اور معاملہ کی پیچیدگی پر سخت حیران تھے۔

انیس اور دوسرے لوگوں نے ہاتھی کو کھڑا کرنے کی ہزار کوشش کی؛ لیکن ان کی ایک نہ چلی۔ ہر کوشش ناکام ہو کر رہ گئی۔

ہاتھی کے اس طرح بیٹھ رہنے یا گر پڑنے کی خبر تمام فوج میں ہوا کی طرح پھیل گئی۔ ابرہہ کو معلوم ہوا تو اس نے فوراً تمام ہوشیار لوگوں کو حکم دیا کہ ہاتھی کسی طرح کھڑا کریں ط وہ پہلی مرتبہ ناکامی کا سامنا کر رہا تھا اس واقعہ کو اس نے بُری طرح محسوس کیا۔ اور اپنے لئے بدشگونی تصور کیا۔ فوجیوں نے ہاتھی کو کھڑا کرنے میں اپنی ساری قوتیں اور ترکیبیں صرف کر ڈالیں؛ لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ وہ بھاری بھاری لاٹھیاں لائے، اسے مارنے لگے اور کبھی نیزوں سے کچوکے دیتے تھے لیکن سب بے کار۔ فوج کا جوش و خروش حیرانی اور جمود میں تبدیل ہونے لگا وہ سوچ رہے تھے کہ اب کیا ہوگا؟

ادھر ابرہہ کا حکم پر حکم پہنچ رہا تھا کہ جلد سے جلد ہاتھی تیار کیا جائے۔ بار بار شاہی آدمی دریافت حال کے لیے آ رہے تھے کہ ہاتھی کھڑا ہوا یا نہیں؟

لوگ حیرت و استعجاب کی تصویر بنے کھڑے تھے مختلف قسم کی رائے دی جا رہی تھی۔ ہر شخص اپنی اپنی سمجھ کے مطابق تدبیر سوچ رہا تھا۔ بعض سمجھدار لوگوں نے مشورہ دیا کہ لوہے کی مڑی ہوئی نیزوں کی نوکیں ہاتھی کے حلق میں چبھو دی جائیں اور نیزوں کو مضبوطی سے کھینچا جائے تاکہ درد کی شدت سے ہاتھی اُٹھ کھڑا ہو۔

نیا طریقہ واقعی کارگر رہا جوں ہی ہاتھی کے حلق میں یہ نیزے پھنسے وہ تلملا کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن اپنا رُخ داہنی سمت موڑ لیا اور تیز تیز دوڑنے لگا۔

لوگ جلدی سے اس کے پیچھے بھاگے اور پکڑ کر بمشکل قابو میں کیا تاکہ مکہ کی سمت اس کو موڑا جا سکے۔ یہ سب کچھ بھی ہو گیا؛ لیکن چلنے کا وقت آیا تو ہاتھی مکہ کی جانب سے چلنے سے برابر گریز کر رہا تھا۔ ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھاتا تھا۔ عجیب معاملہ تھا کہ مشرق کی طرف موڑتے تو بھی چلنے لگا اور مغربی سمت رُخ کرتے تو چلنے لگا غرض یہاں پھر ایک نئی مشکل سے دوچار ہونا پڑ گیا۔ کیونکہ ہاتھی میں ایک نئی سرکشی پیدا ہو گئی تھی۔

دیکھتے دیکھتے ایک طرف سے ابابیلوں کے جھنڈ کے جھنڈ نمودار ہونا شروع ہو گئے اور آسمان پر ان کی اتنی بڑی تعداد اکٹھی ہو گئی کہ کالے بادلوں کا گمان ہونے لگا اور چاروں

طرف اندھیرا چھا گیا۔ ان ابابیلوں کی چونچوں میں کنکر تھے جوانہوں نے لشکر پر برسانے شروع کر دیئے۔ ہر طرف کنکروں کی بارش ہونے لگی۔ ان کنکروں نے گولی کا کام کیا اور جس کو لگے وہ بے حال اور بے دم ہو کر گر پڑا۔

پورے لشکر کو ہولناک سماوی آفت کا سامنا تھا۔ نیزے، تلواریں اور دیگر ہتھیار بے ترتیبی سے بکھرے پڑے تھے۔ گھبراہٹ اور اسرا سیمگی عام تھی۔ ہر کوئی کنکروں کی بوچھاڑ سے بچنا چاہتا تھا اور اس کوشش میں وہ سب ایک دوسرے کے اوپر اوندھے منہ گرنے لگے۔ محفوظ خیمہ میں بیٹھا ہوا ابرہہ بھی اس عذاب سے نہیں بچ سکا۔

کنکروں کی اس بارش نے ابرہہ کی فوج کو ایک دوسرے عذاب میں مبتلا کر دیا۔ ان کو بخار نے آلیا اور ان کے جسموں پر چیچک کے داغ پھوٹ پڑے۔ خانہ کعبہ کے انہدام کا ارادہ لے کر آنے والا ابرہہ اور اس کے ساتھی چیچک کے زخموں سے نڈھال پڑے سسک رہے تھے، کسی میں اُٹھنے تک کی طاقت نہیں تھی۔

ابرہہ کی فوج جب مکہ کی حدود میں داخل نہیں ہوئی تو کچھ لوگ مل کر حالات کا جائزہ لینے کیلئے روانہ ہوئے۔ ابرہہ کے لشکر کے قریب گئے تو لاشوں پر نظر پڑی۔ انہوں نے دیکھا کہ چیچک کے مرض سے ان کے جسم پھٹ گئے تھے اور چہرے مسخ ہو گئے تھے۔

ابھی وہ اس خدائی عذاب کی ہولنا کی دیکھ رہے تھے کہ کسی کی ہلکی آواز آئی جو پانی مانگ رہا تھا کسی نے جذبۂ رحم کے ساتھ کہا کہ قریب مرگ ہے پانی پلا دینا چاہیئے لیکن ایک شخص نے فوراً کہا۔

یہ ان کے جرم کی سزا ہے، خدا کی قسم اگر ہم نے ان کو پانی پلایا تو ہم بھی اس عذاب کی لپیٹ میں آجائیں گے،

ابرہہ اور اس کی فوج کو جس اندوہناک مصیبت کا سامنا ہوا تھا۔ لوح عالم پر وہ کوئی معمولی نوعیت کا واقعہ نہ تھا۔ یہ دردانگیز تفصیلات تمام جزیرۂ عرب میں پہنچیں۔ لوگوں کو معلوم ہوا کہ وہ مکہ میں کیوں داخل نہ ہو سکا اور کعبہ کو منہدم کر ڈالنے میں اس کو کیا کیا رکاوٹیں پیش آتیں۔

ان واقعات کو سن کر اہل عرب کی نظروں میں خانۂ کعبہ کے تقدس واجلاس میں اور بھی اضافہ ہو گیا پہلے وہ خانۂ کعبہ کو بزرگوں کی روایات کی روشنی میں لائق عزت اور عبادت سمجھتے تھے مگر اس عقیدے میں مشاہدہ کی تائید بھی شامل ہو گئی تھی۔

اس عظیم حادثہ نے اہل مکہ میں نہایت دُور رس اثرات چھوڑے، وہ اس واقعہ کو اپنے اشعار میں پرونے لگے۔ ایک ایسا عجیب وغریب عبرتناک واقعہ کہ جس کی داستانوں کو تاریخ نے اپنے اندر روشن حرفوں میں جگہ دی۔ جب لکھتے یا بات کرتے تو کہتے:

فلاں کام یا فلاں واقعہ سالِ فیل کے بعد فلاں سنہ میں ہوا ابرہہ کے کے بعد یمن کے تخت وتاج کا وارث اس کے بڑے لڑکے یکسوم کو قرار دیا گیا۔ لیکن یہ بڑا جفا کار نکلا۔ وہ اہل یمن کو ذلیل کرتا، ان کی عورتوں کی ناموس خراب کرتا، ان کے لڑکوں کو اپنا غلام بنالیتا۔ اور اپنے باپ کی بیوی ریحانہ اور اس کے لڑکے سیف بن ذی یزن کے ساتھ نہایت غیر شریفانہ سلوک کرتا تھا۔

یہ سیف بن ذی یزن ریحانہ کا وہی بیٹا ہے جس کو ایک لڑکے کے طور پر ہم معدی کرب کی داستان میں جانتے پہچانتے ہیں۔ یہ ریحانہ کے پہلے خاوند ابومرہ کا لڑکا ہے جو شہر بہ شہر قبائل عرب سے ابرہہ کے مقابلے کی مدد کا خواستگار بن کر نکلا۔ کیونکہ ابرہہ نے اس کی بیوی ریحانہ کو زبردستی اغوا کر لیا تھا۔ پھر بتدریج اس بچہ کی داستانیں دنیا کے ذہنوں سے فراموش ہو گئی تھیں۔ لیکن اس نے بڑی عمر میں اپنے سوتیلے باپ ابرہہ کی کارستانیاں معلوم کیں۔ وہ اپنے باپ کی طرح ملوکِ عرب وغیرہ کی خدمت میں مدد حاصل کرنے کو باریاب ہوا۔

حیرہ کے عامل نعمان بن منذر، قیصر روم اور کسریٰ ایران کے درباروں میں پہنچا وہ اپنی اس تحریک کو زندہ کرنا ہی چاہتا تھا کہ دن اور سال گزرنے لگے اور یکسوم بھی مرگیا۔ اس کے بعد اس کا بھائی مسروق یمن کے تاج وتخت کا وارث مقرر ہوا۔ بالآخر سیف بن ذی یزن اپنے مقصد میں کامیاب ثابت ہوا۔ کسریٰ نے اس کی ہمراہی میں ایک جنگی لشکر روانہ کیا اس لشکر کے ہمراہ سیف یمن میں داخل ہوا اس نے عظیم جیش کے ذریعے اپنے آباء واجداد کو آزاد کرایا۔

صاحب فیل ابرہہ کی یہ داستان یہاں آکر ختم ہوجاتی ہے۔ خداوند تعالیٰ نے اس کو اس کی فوج کو اور اس کے وارث تاج وتخت لڑکوں کو ذلیل وخوار کیا۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے فریب کو ان ہی کے سینوں میں انڈیل دیا۔ چنانچہ وہ اصحاب فیل کے متعلق قرآن پاک میں فرماتا ہے:

''کیا تو نے نہیں دیکھا؟ کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا ان کے فریب کو اس نے خاک میں نہیں ملا دیا؟ اور ان جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیجے جوان پر کنکریاں برسائے تھے۔ بالآخر ان کو کھائے ہوئے بھوس کی طرح پامال کردیا۔

• • •

غزلیں

الحاج سید مرتضیٰ حسین رہبرؔ رحمۃ اللہ علیہ

ان کے غم کی نعمت ملنے والی ہے
دل کو جیسے جنت ملنے والی ہے

دامن کوا ک دولت ملنے والی ہے
رسوائی سے شہرت ملنے والی ہے

وہ بھی وفا کے قائل ہونے والے ہیں
میری وفا کی قیمت ملنے والی ہے

لوگ حسد کی آگ میں جلتے ملتے ہیں
جانے کس کو عزت ملنے والی

دیوانہ گلزار بناکر چھوڑے گا
صحرا کو اب وحشت ملنے والی ہے

دیکھو رہبرؔ موت کھڑی ہے سرہانے
اب ہاتھوں کو فرصت ملنے والی ہے

اب خوشی پاکر بہت رنجیدہ ہے
مسئلہ دل کا بڑا پیچیدہ ہے

ڈھونڈھتے ہیں لوگ چہرے پر جسے
زخم مری روح میں پوشیدہ ہے

دولت اخلاص کا مالک ہے وہ
پیرہن جس شخص کا بوسیدہ ہے

چند روزہ ہیں یہ سب حسن وشباب
کیا کوئی گلشن خزاں نادیدہ ہے

دیکھو دل کی بات کیا دے جواب
اب مگر سنتا ہوں وہ سنجیدہ ہے

کرنہ دے رہبرؔ کہیں رسوا تمہیں
جو نظر تم پر پڑی دزدیدہ ہے

ایک المناک داستان

جب غلاف کعبہ کو آگ کے حوالے کر دیا گیا

(مختار احمد حیدر آبادی کے قلم سے)

پہلی جنگ عظیم میں تقریباً سب ہی ایشیائی عرب ممالک ترکی کی سلطنتِ عثمانیہ کا ایک اہم حصہ تھے، صرف چند چھوٹی چھوٹی عرب ریاستیں حکومتِ برطانیہ سے وظیفہ حاصل کرتی تھیں جس کے صلے میں حکومت برطانیہ کو وہاں فوجی اڈے استعمال کرنے کا اختیار تھا، دراصل یہ برطانوی توسیع پسندی کے اقدام تھے اوران کا مقصد یہ تھا کہ ترکوں کی عظمت کو ختم کیا جاسکے اور عالم اسلام پر تصرف حاصل ہوجائے، ترک مرکزی حکومت کی کمزوری کی وجہ سے ترکی سلطنت کے کئی یوروپی ایشیائی اورافریقی حصے مغربی ممالک ہڑپ کر چکے تھے۔سلطنتِ عثمانیہ اپنی نااہلی کی وجہ سے بجا طور پر ''مرد بیمار'' کہلاتی تھی، برطانیہ، فرانس، روس اور یونان سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے کرنے کے موقع کا انتظار کررہے تھے اور عرب ممالک میں ترکوں کے خلاف عربوں کو بھڑکا رہے تھے۔

۱۹۰۸ء کے دوران ترک حکومت حسین ابن علی کو شریف مکہ مقرر کیا۔حسین کے تین بیٹے علی، عبداللہ اور فیصل تھے یہ تینوں بعد میں برطانوی حکومت کی مدد سے مختلف عرب علاقوں کے بادشاہ بنائے گئے،علی کو حجاز کا، عبداللہ کو اردن کا اور فیصل کو عراق کا بادشاہ بنایا گیا، یہ انعام واکرام ترکوں کے خلاف ان نہایت شاندار خدمات کے صلے میں دیا گیا تھا انہوں نے مسلمان کے خلاف مسلمان کو لڑایا تھا، مسلمان نے مسلمان کا گلا کاٹا تھا، ترکوں کے خلاف عربوں کی بغاوت کے دوران طرفین کے لاکھوں مسلمان مارے گئے اور زخمی ہوئے تھے، لاکھوں بچے یتیم اور لاکھوں عورتیں بیوہ ہوگئی تھیں۔

شریف مکہ حسین ابن علی شروع ہی سے ترکوں سے عمل آزادی چاہتا تھا وہ خفیہ طور پر اس کی تیاری کررہا تھا اور اپنے ساتھ کسی بااثر عربوں کو ہم خیال بنانے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

پہلی جنگ عظیم سے قبل اس کے بیٹے عبداللہ نے مصر جاکر فیلڈ مارشل لارڈ کچز سے خفیہ ملاقات کی اس نے لارڈ......مصر میں برطانوی ایجنٹ جنرلیوں کو یقین دلایا کہ جنگ چھڑ جانے پر عرب ممالک پر برطانیہ......کیونکہ ترکوں جرمنی کی طرف خاص جھکاؤ تھا جس سے اندازہ تھا کہ جنگ ہوئی تو ترک جرمنی کا ساتھ دیں گے، عبداللہ نے لارڈ کچز سے وعدہ طلب کیا کہ عربوں کو ترکوں کے خلاف ہتھیار دیئے جائیں۔ وہاں برطانوی فوج بھیجی جائے، بھاری رقوم دی جائیں اور فتح حاصل ہونے پر انہیں مختلف عرب ممالک کی بادشاہت دی جائے، عربوں کو ترکوں کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرنا ان کا کام ہوگا۔

اس وقت لارڈ کچز مسلمانوں کا بدترین دشمن تھا کچھ سال قبل اس نے مہدی سوڈانی کے مریدوں کے خلاف مہم کے دوران ہزاروں مسلمانوں کو قتل کیا تھا، شہید مہدی سوڈانی کی انگریزوں (جنرل گورڈن گورنر جنرل سوڈان) کے خلاف حیرت انگیز فتح کا بدلہ اپنی مہذب اور امن پسند قوم جو تہذیب وتمدن، اخلاق اور امن وسلامتی کی دعویدار تھی کی تسکین کی خاطر ایسے سفاکانہ اور مکروہ انداز میں لیا جاسکے، مہدی سوڈانی شہید کی جسے انگریز صومالیہ کا پاگل ملا کہا کرتے تھے لڑائیوں کی ایک الگ المناک مگر بہادرانہ داستان ہے۔ان لڑائیوں کے دوران بھی برطانیہ نے مقامی غدار مسلمان باشندوں کی مدد حاصل کی۔

لارڈ کچز کی جنگی بصیرت کے مطابق ترکوں پر فیصلہ کن فتح حاصل کرنا بذریعہ گیلی پولی اور عراق آسان تھا۔ وہ ترکوں کے خلاف حجاز کی جانب سے لڑائی کی ابتدا نہیں چاہتا تھا اسے یقین تھا کہ زبردست بحری اور بری حملے کے بعد درۂ دانیال حاصل کیا جاسکے گا اور اس طرح ترکی کی سرزمین پر ترکوں کو شکست دے کر سلطنت ترکی کو ہمیشہ کے لئے ختم کیا جاسکے گا۔ مگر اس نے عبداللہ اور حسین کو اپنے دل کی بات نہ بتائی بلکہ انہیں بغاوت پر آمادہ کرلیا اور کچھ امداد دینے کا بھی وعدہ کیا ۔اس ملاقات کے نتیجے میں برطانوی خفیہ محکمے کے آفیسر خفیہ طور پر شریف مکہ کی مدد سے سرزمین حجاز اور دوسرے عرب علاقوں میں بغاوت کا اندازہ لگانے کے لئے جانے لگے، حجاز کے ساحلی علاقے پر برطانوی جہاز خاموشی سے آتے اور کچھ اسلحہ عرب باغیوں کے لئے چھوڑ جاتے، اس در پردہ تیاری کا ترکوں کو کوئی علم نہ تھا۔ انہیں یقین تھا کہ عرب اہل اسلام کے مقدس مقامات میں بغاوت نہیں کریں گے مگر حسین شریف مکہ نے اپنے بیٹوں کو شام، فلسطین، عراق اور مصر کے خفیہ دوروں پر روانہ کیا تاکہ وہاں کے لوگوں کو ترکوں کے خلاف بھڑکایا جائے اور یوں بغاوت کی تیاری ہونے لگی۔

جب پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی تو لارڈ کچز کو اس کی جنگی قابلیت کی بنا پر وزیر دفاع مقرر کیا گیا، برطانیہ نے فوراً شریف مکہ حسین ابن علی اور اس کے بیٹوں سے رابطہ قائم کرلیا، برطانوی خفیہ محکمے کے آفیسروں نے ان با اثر شخصیتوں سے ذاتی رابطہ قائم کیا۔ان آفیسروں میں سے سر رونالڈ سٹورز کونل لارنس اور کرنل ولسن خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔اور اصل عربوں کی بغاوت کا زیادہ تر ذمہ دار سر رونالڈ سٹورز تھا، گو اس سلسلے میں کرنل لارنس آف عریبیا کو زیادہ شہرت ملی ہے۔متعدد برطانوی مؤرخین کی رائے کے مطابق کرنل لارنس شہرت کا دلدادہ تھا۔ وہ معمولی سا واقعہ بھی بڑھا چڑھا کر بیان کرتا تھا اور اپنی شخصیت کو مؤثر، بہادر، عربوں میں ہر دلعزیز اور عرب بغاوت کا بانی بتاتا تھا۔ وہ عربی لباس میں عرب دوستوں کی وساطت سے عرب علاقوں میں دور دور تک چلا جاتا اور بے دریغ سرکاری رقوم خرچ کرتا تھا، لارنس خود کو پرنس آف مکہ کہلواتا تھا ،اس نے تقریباً تمام عرب علاقہ دیکھا تھا اور اس نے لگاتار کئی خطرناک سفر صحرا کو عبور کرنے کے لئے طے کئے تھے۔

وہ یہ بھی بتاتا تھا کہ عربوں کی وساطت سے غیر مسلم ہونے کے باوجود دو مرتبہ مکہ معظمہ اور حرم شریف کی سیر کو آیا تھا، اس کا ذکر شریف مکہ یا اس کے بیٹوں نے کبھی نہیں کیا، بقول لارنس اس نے مکہ معظمہ کی سیر کا ذکر اس نے اسی وقت نہ کیا تھا کہ عرب لوگ شریف مکہ کے خلاف ہوجاتے اور خود حسین شریف مکہ اور اس کے بیٹے بھی اس سے ناراض ہو جاتے، بعض ہمعصر خفیہ محکمے کے برطانوی آفیسروں نے اسے لارنس کی لاف زنی بتایا ہے، کیونکہ وہ اپنے کارناموں کو بیان کرنے کے لیے مبالغہ آرائی سے کام لیتا تھا، اس کے کئی کارنامے بعد میں دروغ ثابت ہوئے تھے، دراصل بعض ہمعصر خفیہ محکمے کے برطانوی آفیسر اور مؤرخین کے بقول لارنس احساس کمتری کا شکار تھا، اس کے باپ نے اس کی ماں

سے باقاعدہ شادی نہیں کی تھی اس لئے وہ ناجائز اولاد تھا۔ جس کا اسے شدت سے احساس تھا، سولہ سال کی عمر میں ایک ہم جماعت سے لڑائی کے دوران اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی اور چوٹیں آئی تھیں۔ یہ حادثہ اس کے جسمانی نشوونما پر اثر انداز ہوا، اس کا قد مزید نہ بڑھ سکا، اس کے چہرے سے لڑکپن ظاہر ہوتا تھا، اسی حادثے کے باعث غالباً اس کی قوت مردانگی بھی جاتی رہی تھی۔

لارنس نے کئی فوجی اعزاز اور ترقیاں حاصل کی تھیں اس نے معمولی واقعات کو بہت اہم بتا کر یہ اعزازات حاصل کئے تھے، مگر برطانوی حکومت نے اس سے کام لینے کے لئے اس کی غلط بیانی کو نظرانداز کر رکھا تھا، لارنس عربوں اور برطانوی حکومت کے درمیان ایک اہم پیامبر تھا۔ اس نے عربوں کو بھی اپنی ناف زنی سے مرعوب کر رکھا تھا۔ اس نے اپنی کتابوں میں اور اپنے ہمعصروں سے گفتگو کے دوران اپنے متعلق انکشاف کیا تھا کہ اس کی ہمدردیاں اور وفاداریاں دراصل یہودیوں کے ساتھ تھیں، وہ چاہتا تھا کہ یہودیوں کی ایک الگ ریاست قائم کی جائے وہ خفیہ طور پر یہودی ریاست کے لئے بھی کوشاں رہتا تھا۔

عربوں کا مذاق اڑانے کے لئے لارنس آف عربیا فلم بھی بنائی گئی جو سراسر پروپیگنڈہ فلم تھی اور بیشتر واقعات دروغ پر مبنی تھے۔

جنگ عظیم کے اعلان کے فوراً بعد برطانیہ اور فرانس نے ترکوں کو بحری اور بری فوج کی مدد سے گشت دینے کا فیصلہ کیا، ایک زبردست بحری بیڑہ درہ دانیال کے دہانے کے اندر داخل ہوگیا، مگر ترکی کی فرسودہ ساحلی توپوں اور نیم مسلح بحریہ نے کئی جہاز ڈبو دیئے، مغربی طاقتوں نے ...... پر فوجیں اتار دیں اور مسلسل کئی ماہ کی یلغار اور گولہ باری کے باوجود ہر محاذ پر بہادر ترکوں نے انہیں روک دیا، لارڈ کچز (برطانوی وزیر دفاع) نے ہر ممکن کمک، گولہ اور ہتھیار بھجوائے مگر ترکوں نے گیلی پولی کے ہر محاذ پر اتحادی فوجوں کو پسپا کر دیا۔ ادھر عراق میں کیت یا العمارہ کے محاصرے میں برطانوی جنرل ٹانو فشنڈ کی تقریباً پندرہ ہزار فوج کو ترک فوجوں نے نرغے میں کئی ماہ تک لئے رکھا اور آخر برطانوی فوج نے ہتھیار ڈال دیئے۔

محاصرے کے دوران برطانوی خفیہ محکمے کے افسروں نے کوت العمارہ کے ترک جنرل کو بیس لاکھ پونڈ رشوت پیش کی تھی کہ وہ برطانوی فوج کا محاصرہ اٹھا لے اور ایسے حالات پیدا کر دے کہ برطانوی فوج گھیرے سے نکل جائے اور ترک جنرل کا وقار بھی قائم رہے۔ مگر ترک جنرل نے ایسی بزدلانہ اور غدارانہ کارروائی سے انکار کر دیا۔ گیلی پولی کی برطانوی مہم کا بھی ذلت آمیز حشر ہوا اور اتحادی نفری کی افراط بہتر ہتھیاروں اور زبردست بحری بیڑے کے باوجود پسپا ہونے پر مجبور ہو گئے۔ لارڈ کچز ان دو شکستوں سے از حد بد دل ہو گیا تھا۔ وہ تو آسانی سے مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا، مگر ترکوں نے بہادرانہ کارروائی سے دو محاذوں پر فتح حاصل کر لی تھی، لارڈ کچز کی جنگی بصیرت کو سیاستدان شک کی نظر سے دیکھنے لگے اور انہوں نے اس کی آمرانہ طاقت کو نظرانداز کرنا شروع کر دیا۔ اور اسے بذریعہ بحری جہاز روس کے خفیہ دورے پر روانہ کر دیا، راستے میں ترکوں کی آبدوز کشتی نے اس کے جہاز کو غرق کر دیا اور یوں مسلمانوں کا ایک بدترین دشمن جہنم واصل ہوا اور اس کی لاش تک نہ ملی۔

جس روز کچز مارا گیا اس روز عربوں نے ترکوں کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیا۔ اس سے قبل برطانوی اور فرانسیسی حکومتیں اپنے فوجی افسروں کی معیت میں ساحلی علاقوں میں ہتھیار، غدار عرب اور ہندوستانی انگریز فوجیوں کو اتارنے میں کامیاب ہوگئی تھیں، بحری جہاز بھی ساحلی علاقے کے قریب گشت کرتے تھے، بھاری رقوم بھی بااثر عربوں میں تقسیم کی جاتی

تھیں، یہ کام کرنل لارنس، کرنل ولسن، ایڈمرل ڈیمی سن، میجر راس، کرنل نیوکولمبی، میجر وکری اور کئی دوسرے تجربہ کار اور عربی زبان جاننے والے آفیسر کر رہے تھے۔ ۱۶ر جون ۱۹۱۶ء کو ترک فوجی دستہ مقیم جدہ نے عربوں اور برطانوی فوج کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ باغی عرب دستوں کے ۱۰ر جون ۱۹۱۶ء (۹ر شعبان) کو سورج نکلنے سے قبل برطانوی ہتھیاروں سے مسلح ہو کر مکہ میں موجود ترک دستوں کا...... کرلیا، ترکوں کے سرکاری دفاتر اور ترک آفیسروں کے مکانات کو بھی گھیر لیا گیا، بلند مقامات سے ان عام مقامات پر فائرنگ ہونے لگی تھی، ترکوں کے لئے یہ سب کارروائی بھی منسوخ تھی، بے خبر ترکوں نے بھی جوابی فائرنگ شروع کر دی۔

۱۲ر جون تک ترکوں کے سرکاری دفاتر اور ترک ڈپٹی گورنر جنرل کے گھر سے بھی جوابی فائر ہوتا رہا، مگر یہاں صرف گنتی کے چند ترک فوجی تھے، آخر ایک زوردار حملے کے بعد باغی عربوں نے ترکوں کے سرکاری دفاتر پر قبضہ کر لیا اور ترک ڈپٹی گورنر جنرل نے اپنے ساتھیوں سمیت ہتھیار ڈال دیئے مگر ترک اپنی بیرکوں میں سے مزاحمت کر رہے تھے۔ فائر رات دن جاری رہتی تھی، دونوں طرف کی گولیاں حرم شریف کے اندر بھی آکر لگتی تھیں، زائرین طواف کرنے سے خائف تھے، فائرنگ سے خانۂ کعبہ کے غلاف کو آگ لگ گئی اور جلے ہوئے ٹکڑے فرش پر بکھر گئے، شریف مکہ کے فوجی دستوں نے خانہ کعبہ کے نواحی بلند مقامات پر قبضہ کر رکھا تھا اور وہیں سے وہ ترکوں پر گولیاں برساتے تھے، انگریزوں اور شریف مکہ کو ایسی شدید مزاحمت کی توقع نہ تھی، انگریزوں کی مدد سے جدہ سے چند توپیں مکہ لائی گئیں۔

۹ر جولائی ۱۹۱۶ء (رمضان المبارک کے دوران) زبردست گولہ باری اور بھاری جانی نقصان کے بعد ترکوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ان کے پاس خوراک اور گولہ بارود ختم ہو چکا تھا، یعنی پورے چار سو سال بعد ترکوں کو غداری سے مکہ معظمہ میں خوں ریزی کے بعد نکال دیا گیا، کئی لوگوں کے بقول شریف مکہ کے باغیوں نے حرم شریف کے اندر بھی مورچے بنا رکھے تھے اور بلند میناروں میں بھی سناپر پوزیشن میں تھے اور وہاں سے فائر کرتے تھے، جدہ سے لے کر عقبہ تک عرب ساحل پر جگہ جگہ گولہ بارود، خوراک، اسلحہ، خفیہ ایجنٹ اور غدار فوجی اتارے گئے تھے، اگست میں طائف پر قبضہ کر لیا گیا، باغی عربوں کی کمان شریف مکہ کے بیٹوں کے علاوہ برطانوی بھی کر رہے تھے، جولائی اور اگست کے دوران عرب باغیوں نے ینبو، رنج اور کئی اہم ساحلی علاقوں پر قبضہ کر لیا، ساڑھے تین ماہ کی بغاوت کے دوران عرب باغیوں نے برطانیہ اور فرانس کی مدد سے چھ ہزار ترک قیدی پکڑے، ایک ڈویژن فوج کا سامان جنگ ان کے قبضے میں آیا۔

برطانوی حکومت نے ترکوں کے خلاف عربوں کی بغاوت کے صلے میں حسین ابن علی شریف مکہ کا گست ۱۹۱۶ء سے باقاعدہ طور پر ایک لاکھ پچیس ہزار پونڈ وظیفہ مقرر کر دیا، بقول کئی مؤرخین شریف مکہ اور اس کے بیٹوں نے برطانوی حکومت سے ساٹھ لاکھ پونڈ بغاوت کے دوران وظیفہ حاصل کیا تھا، بغاوت پر برطانیہ نے ایک کروڑ دس لاکھ پونڈ خرچ کئے تھے اور تقریباً گیارہ لاکھ پونڈ صرف سونا عرب شخصیتوں میں تقسیم کیا تھا، ان کامیابیوں کے بعد شریف مکہ حسین ابن علی نے نومبر ۱۹۱۶ء کے دوران تمام عرب ممالک کا بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا، مگر اتحادیوں نے اسے صرف حجاز کا بادشاہ تسلیم کیا۔

ادھر مدینہ منورہ کے علاقے میں ترک فوجی کمانڈر فخری پاشا نے باغیوں اور اتحادی فوج کے خلاف مؤثر مزاحمت جاری رکھی، باغیوں نے برطانوی ماہرین اور لڑاکا کشتی دستوں کی مدد سے حجاز ریلوے جو ترکوں نے دمشق سے مدینہ منورہ تک آمدورفت کی سہولت کے لئے بچھوائی تھی، جگہ جگہ سے اکھاڑ دی تھی۔ پل برباد کر دیئے اور کئی چلتی گاڑیوں کو تباہ کر دیا

تھا، دمشق سے مدینہ تک سات سو میل لمبی ریلوے لائن کو جو صحراء سے گزرتی تھی آسانی سے اکھاڑا جاسکتا تھا، مگر ریل اکھاڑنے اور گاڑیاں تباہ کرنے کے واقعات کو بھی لارنس نے بڑھا چڑھا کر بتایا ہے، مدینہ میں جو ترک فوجی دستہ تھا اس کی تعداد صرف بارہ ہزار رہ گئی تھی، ترک گھیرے میں تھے، مگر خوراک اور گولہ بارود کی کمی کے باوجود فخری پاشا نے مزاحمت جاری رکھی، دو سال اور سات مہینوں کی اس مسلسل اور دلیرانہ مزاحمت کی داستان بہت طویل ہے، جب باغیوں نے مکہ معظمہ فتح کرلیا تو فخری پاشا کو ہتھیار ڈالنے کی دعوت دی گئی، مگر اس نے انکار کردیا کہ وہ اس مقدس مقام کو عیسائیوں کے پچھوؤں کے حوالے ہرگز نہ کریگا۔ جنگ عظیم کے اختتام پر ۱۹۱۸ء کے دوران ترکوں نے اتحادیوں سے صلح کرلی تھی، ترک وزیر دفاع نے صلح نامہ کی نقل فخری پاشا کو بھجوائی اور اسے ہتھیار ڈالنے کے احکامات دیئے مگر فخری پاشا بدستور ڈارا رہا، خوراک کم ہورہی تھی، گولہ بارود بھی ختم ہورہا تھا۔ زخمیوں کی تعداد بڑھ رہی تھی اور کئی ہزار لڑتے ہوئے مارے گئے تھے، جب اس کے محصور فوجیوں کو صلح کے احکام کے بارے میں معلوم ہوا تو انہوں نے اس کا ساتھ چھوڑنا شروع کردیا، کسی جانب سے مدد یا کمک کا سوال ہی نہیں ہوتا تھا۔ ہزاروں نے جگہ جگہ ہتھیار ڈال دیئے۔ فخری پاشا ان کو لڑائی جاری رکھنے کی تلقین کرتا مگر فوجی اس قدر طویل لڑائی سے تنگ آچکے تھے کہ انہیں اپنا انجام نظر آرہا تھا، آخری فخری پاشا نے بے یارو مددگار ۱۴ر جنوری ۱۹۱۹ء کو ہتھیار ڈال دیئے ، مدینہ کے محاصرے کے دوران تقریباً چار ہزار ترک مارے گئے۔

باغی عربوں نے برطانیہ کے لئے جنگ جلد ختم کرادی ۔عرب باغیوں نے تقریباً چونتیس ہزار ترک فوجیوں کو بغاوت کے دوران الجھائے رکھا وہی وجہ تھی کہ جب جنرل امین بی نے عراق کے محاذ پر ستر ہزار بہترین فوج سے حملہ کیا تو ترک اس کے مقابلے میں صرف بیس ہزار نیم لیس فوج اکٹھی کرسکے تھے ترکوں کے پاس نہ کمک تھی اور نہ ہی برطانوی فوج کے مقابلے کے لئے ہتھیار اور توپ خانہ، اس کے علاوہ یمن اور اشیر کے علاقوں میں تقریباً تین ڈویژن ترک فوج عرب باغیوں کے نرغے میں پھنسی ہوئی تھی، ان کے باہر کی دنیا سے تمام راستے کاٹ دیئے گئے تھے۔ نہ ان کے لئے کوئی مدد آسکتی تھی اور نہ ہی وہ کسی کی مدد کے لئے اپنے اڈے چھوڑ سکتے تھے۔

اگر عرب بغاوت نہ کرتے تو یقیناً ترکی فوج گیلی پولی اور کوت العمارہ کی فتوحات کی طرف حجاز اور عراق میں بھی فتح حاصل کرتی اور یوں مسلمان دوسرے مسلمان کا گلا کاٹنے سے بچ جاتے۔ شریف مکہ حسین ابن علی کے خلاف عرب خود اٹھ کھڑے ہوئے ،۱۹۲۴ء میں اسے اپنے بیٹے کے حق میں تخت چھوڑنا پڑا، مگر جلد ہی شاہ عبدالعزیز (موجودہ سلطنت سعودی عرب کے بانی) حجاز فتح کرلیا اور اس طرح حسین ابن علی کی آٹھ سال پرانی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا عبداللہ بن حسین کو حکومت برطانیہ نے اپنے مفاد کے پیش نظر اردن کے علاقے کی بادشاہت دے دی جہاں اب عبداللہ کا پوتا شاہ حسین بیرونی امداد پر حکومت کررہا ہے۔ فیصل کو عراق کی بادشاہت دی گئی تھی مگر ان کی موت کے بعد ان کا بیٹا نوجوانی میں ہی عراق کے انقلاب میں مارا گیا۔ ترک قوم پہلی جنگ عظیم کے دوران عربوں کے کردار کو آج تک نہیں بھلاسکی، یہی وجہ ہے کہ بین الاقوامی سطح کے معاملات اور سیاست میں ترک ہمیشہ عربوں کی مدد کرنے سے گریز کرتے ہیں، اسی لئے انہوں نے پہلے یہودیوں کے وجود کو قبول کرلیا تھا گو بعد میں ترکوں نے یہودیوں سے تمام رابطے توڑ دیئے تھے، حرم شریف کی دیواروں نے بے شمار صفا کی کے حیاسوز مناظر دیکھے ہیں، اس کے تقدس، احترام اور عظمت کو نظرانداز کرکے مفاد پرست اس کی بے حرمتی سے بھی باز نہیں آئے، اسلامی تاریخ کے یہ بدترین باب ہیں۔

☆☆

ابن خلدون کی تحقیقی تحریر

پراسرار علوم

(ماخوذ)

سحر و طلسمات وہ علوم ہیں جن کے ذریعے نفس بشری عالم عناصر پر اثر ڈالنے کی استعداد پیدا کرتا ہے چاہے بغیر معین و مددگار کے خواہ امور سماوی سے مدد لے کر، اول کو سحر کہتے ہیں، دوم کو طلسمات، شریعتوں میں ہر دو علوم دو اسباب سے متروک الاستعمال اور ممنوع التوجہ تھے، ایک یہ کہ ان میں ضرر اور نقصان کا پہلو غالب ہے، دوسرے یہ کہ ان کی وجہ سے انسان کی توجہ اللہ سے ہٹ کر غیر اللہ کی طرف ہو جاتی ہے۔

واضح رہے کہ نفوس بشریہ بحیثیت نوع تو سب ایک لیکن خواص اور اصناف کے لحاظ سے یہ آپس میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، ہر صنف میں خاص وہ خاصیت ہے جس کا دوسرے میں وجود نہیں اور یہ خاصیت اور صفت پھر اسی صنف کے لئے فطرت اور جبلت بن گئی، مثلاً انبیاء علیہم السلام کے نفوس میں معرفت ربانی کی استعداد اور ملائکہ سے میل جول رکھنے کی قابلیت ہوتی ہے اور وہ عالم کون پر اثر ڈال سکتے ہیں عالم کون میں تاثیر و تصرف قوت نفسیانیہ سے بھی ہوتا ہے اور قوت شیطانیہ سے بھی۔

سحر و طلسم میں شرعی نقطۂ نظر سے کوئی فرق نہیں شریعت اسلامی میں ہر دو حرام اور ناجائز قرار دیئے گئے ہیں، کیونکہ شارع علیہ السلام نے وہی چیزیں مباح اور جائز بتلائی ہیں جنہیں دینی حیثیت حاصل ہے اور جن سے ہماری آخرت سدھرتی اور بنتی ہے یا ہماری معاشی ضروریات ان سے حل ہوتی ہیں جن سے ہماری دنیا عبارت ہے اور جو چیزیں نہ ہماری آخرت کو سدھارتی ہیں نہ دنیا کو بلکہ اور ان میں ضرر اور نقصان ہو یا اس کا اندیشہ ہو، مثلاً سحر و طلسم یا نجوم جس سے انسان کی نظر عقیدت اللہ تعالیٰ سے ہٹ کر فلکی تاثیرات کی طرف جاتی ہے اور عقیدۂ ایمانی میں رخنہ پیدا ہوتا ہے تو ایسی تمام چیزیں حرام اور ممنوع ہیں اور فرض کر لیجئے ایسی کوئی چیز ہے جو نہ ضرر رساں ہے نہ فائدہ مند تو اس سے روگردانی بھی حسن اسلام کی نشانی ہے، لہٰذا ان شرعی قباحتوں کے سبب سحر و طلسم شعبدہ و نجوم حرمت کے لحاظ سے تمام ایک ہی زمرے میں آتے ہیں۔

اہل نجوم کا کہنا ہے کہ وہ کواکب اور ان کی تاثیرات کا پتہ لگا کر جو عالم عنصری میں ان سے رونما ہیں، آئندہ کے واقعات کا علم حاصل کر لیتے ہیں، کائنات کلیہ و شخصیت کے وجود و حدوث میں کواکب و افلاک کی اوضاع اور کیفیات سے

رہنمائی حاصل کرتے ہیں اور قبل از وقت واقعات بتاتے ہیں اور پیش گوئیاں کرتے ہیں، ان کے اگلے تو یہ نظریہ رکھتے تھے کہ کواکب کے قویٰ وتاثیرات تجربہ سے معلوم ہوتے ہیں، مگر یہ ناممکن الوقوع ہے اگر سارے زمانے کی عمریں ملا بھی دی جائیں تو بھی تجربے کی صورت کبھی متصور نہ ہو کیونکہ چیز کا تجربہ بار بار کرنے یا برتنے سے ثابت ہوتا ہے، اور اس سے اس چیز کے بارے میں کسی بات کا علم یا ظن حاصل ہوتا ہے اور کواکب کے دورے اس قدر طویل المدت ہیں کہ ان کا بار بار تجربہ کرنا لاکھوں برس چاہتا ہے جس کے لئے سارے عالم کی عمر بھی تھوڑی ہے، بعض کوتاہ فہم یہ خیال رکھتے ہیں کہ کواکب کے قویٰ وتاثیرات کا پتہ وحی سے بھی چلتا ہے، یہ اور بھی بے اصل خیال ہے کیونکہ اس کے بطلان کے لئے صرف یہی ایک دلیل کافی ہے کہ انبیا علیہم السلام صنائع اور علوم سے بالکل بری تھے اور وہ جو بھی خبر دیا کرتے اللہ کے حکم اور اجازت سے تو وہ کس طرح سے دعویٰ کرتے کہ ان کی غیب دانی علم وصفت سے ہے اور یہی پھر اپنے پیروؤں کو تلقین کر جاتے۔

بطلیموس اور اس کے متبعین اس خیال کے حامی ہیں کہ واقعات پر کواکب کی دلالت طبعی ہے اور اس مزاج کے طفیل ہے جو کواکب کا کائنات عنصریہ میں قائم ہو چکا ہے، مثلاً کہتے ہیں کہ سورج اور چاند کے جو اثرات عناصر میں رونما ہیں ان سے تو کوئی انکار ہی نہیں کر سکتا، مثلاً یہ کہ سورج فصلوں کو بدلتا ہے، ان کے مزاجوں میں انقلاب پیدا کرتا ہے، پھلوں اور کھیتوں کو پکاتا ہے یا چاند رطوبات اور پانی پر اثر فگن ہے، متعفن سواد پکاتا ہے اور پھلوں پر بھی اپنی کارفرمائی بتاتا ہے، پھر بطلیموس کہتا ہے کہ ان کے علاوہ باقی کواکب کی تاثیر کا علم ہمیں دو طریق سے ہوا ایک علم تقلیدی کی اگلے ائمہ صناعت جو کچھ کہہ گئے بس وہی مان لیا گیا، مگر یہ علم تسلی بخش نہیں ہے دوسرا تجربہ وحدس کا علم کہ ہر ایک کو سورج سے مقابلہ کر کے دیکھتے ہیں۔

سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی فاعل نہیں اور شریعت نے تو فی الحقیقت تمام حوادث کا واحد سبب اور مؤثر حقیقی قدرت الٰہیہ کو ٹھہرایا ہے، اسی طرح سے نبوتیں بھی علم نجوم کی کھلے الفاظ میں تردید کرتی ہیں اور اس کے اثر کو باطل ثابت کرتی ہیں۔ چنانچہ کلام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کو اس کا ثبوت ملے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سورج اور چاند کا کسوف وخسوف کسی کی موت اور زندگی سے رونما نہیں ہوتا۔ حدیث پاک میں یوں بھی وارد ہے کہ جس نے کواکب کو مؤثر مانا وہ کافر ہے لہٰذا شریعت کی رو سے بھی نجوم لغو اور بے حقیقت ہے اور عقلی پہلو سے تو اس کا لغو ہونا تو پہلے ہی ثابت ہو چکا ہے۔

ان سب امور سے بھی قطع نظر کریں تو عوام اور جہلا پر نجوم کا برا اثر پڑتا ہے، اور ان کے عقائد ایمانیہ پر سخت ٹھیس لگتی ہے کیونکہ کبھی بھولے بھٹکے ایک آدھ بات نجوم کی سچ بھی نکل پڑتی ہے جس کا مدار کسی خاص علت اور سبب پر نہیں ہوتا تو جاہل کوتاہ اندیش سمجھ بیٹھتے ہیں کہ نجوم کے فیصلے سب ہی سچ نکلتے ہوں گے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا اور یوں عوام خالق عالم کو چھوڑ کر مادی اشیاء کی طرف دوڑتے ہیں اور صحیح عقیدے سے ہٹ جاتے ہیں۔

سلطنتوں کے حالات پر بھی نجوم کا اثر ناخوشگوار ہوتا ہے، بعض وقت نجومی کسی سلطنت کے خاتمے خبر اڑا کر صاحب سلطنت کی کمر ہمت توڑ دیتے ہیں اور سلطنت کے دشمنوں اور بدخواہوں کی ایسی ہمت بندھاتے ہیں کہ یک وقت علم بغاوت بلند کر کے سخت شورش برپا کر دیتے ہیں اور ہم نے ایسے حالات دیکھے ہیں جب دین اور سلطنت پر نجوم کے ایسے تلخ اثرات پڑتے ہیں تو اس انسانی تباہی کے لئے مہلک

اورخطرناک جاننا چاہئے۔

علم الاسرار الحروف

آج کل یہ علم سیمیا کے نام سے مشہور ہے۔ یہ علم اس وقت کی پیداوار ہے جب اسلاف کا زمانہ گزر کر غالی صوفیوں کا زمانہ آیا، انہیں یہ شوق پیدا ہوا کہ وہ اس کے اوپر سے پردہ اٹھا کر خوارق کا مظاہرہ کریں اور عالم عنصری میں تصرف دکھائیں، انہوں نے اس علم کو کتابی شکل دی اور یہ اصطلاحات عامیہ کو یکجا منضبط کیا اور اس خیال کے حامی ہوئے کہ ارواحِ فلکیہ وطبائع کو کبیہ مظاہر اسمائے الٰہیہ ہیں اور اسرار الحروف اسمائے الٰہی میں سمائے ہوئے ہیں، نیز یہ کہ عالم کون ومکان جن رنگا رنگ تبدیلیوں سے گزر رہا ہے وہ سب اسرار حروف کی نیرنگیاں اور کرشمہ سازیاں ہیں جو نئے نئے رنگ وروپ میں عالم ظہور میں جلوہ گر ہے۔

عناصر کی طرح مزاد حروف کی بھی چار قسمیں ہیں پھر ہر مزاج یا طبیعت خاص خاص حروف سے مختص ہے، پھر ان حروف کی مخصوص طبیعت فعلی یا انفعالی تصرف کرتی ہے، اس طرح گویا حروف ابجد ایک قانون صناعی کے تحت چار قسم کے ہو گئے اور وہ یہ ہیں، آتشی بادی، آبی اور خاکی، الف بادی، بے خاکی، جیم آبی، دال خاکی، پھر حروف ہوز، حطی وغیرہ میں بھی یہی ترتیب جاری ہے جس سے ذیل کے سات حروف آتشی قرار پاتے ہیں، سات بادی، سات آبی اور سات خاکی، حروف آتشی۔ا۔ھ۔ط۔م۔ف۔س۔ز۔حروف بادی۔ب۔و۔ی۔ن۔ض۔ظ۔ت۔حروف آبی، ج۔ ذ۔ک۔ص۔ق۔ ث۔ غ۔۔ حروف خاکی ، و۔ ح۔ ل۔ ع۔ خ۔ش۔ان میں آتشی حروف امراض باردہ کے رفعیہ کے لئے کام آتے ہیں۔ یاقوت حرارت کو دوچند کرنے کے لئے ، حروف آبی امراض حارہ تپ وغیرہ کو دفع کے لئے، یہ حروف علوم وقیاسات سے متعلق نہیں کہ ذہن کی رسائی اس علم تک آسان ہو، اس میں تمام تر دخل ذوق وکشف کو ہے۔ چنانچہ بونی کا قول ہے کہ سرحروف کی گتھی کو سلجھانا قیاس عقلی کی بات نہیں اس میں تو مشاہدہ اور توفیق الٰہی کی کارفرمائی ہے۔

سائنس روایت کو سمجھنے کے لیے علم کائنات یعنی کونیات کا مطالعہ از حد ضروری ہوتا ہے۔ اسلامی علوم اس کلیے سے مستثنیٰ نہیں علم کائنات سے دوسری مروجہ سائنسوں کا تعلق کسی جسم سے مختلف اعضاء کے تعلق کے مماثل ہے۔

کونیات

یہ کائنات بیک وقت مسلسل بھی ہے اور غیر مسلسل بھی مخلوق کی حیثیت سے آفرینش سورج جیسی کائنات میں شعاعوں کی مانند ہے لیکن ابتداء مادی بھی ہے جس کی رو سے کل عالم واقعات کا سلسلہ ہے اور اس کی رو سے جملہ کائناتی ہیئت انعکاس اور تجلی باری تعالیٰ کا مظہر ہے اسلامی روایت میں مختلف کائناتی نمونوں کا ارتقاء اور اسلامی تعلیمات کی رو سے کائنات کی تفہیم آفرینش اور کائنات کے مابین مختلف سطحوں پر روح، نفس اور جسم کے مابین تعلق کی تشریح ہے۔ یہ ذرائع مکان میں اس رابطے کو واضح کرنے کے طریقے ہیں جو محض مادی مکان پر محیط ہے۔ اور زبان سے متعلق ہے جو آفاق وجود کے ادوار اور کائناتی تاریخ سے متعلق کائناتی واقعات اور قیامت نامہ تک محیط ہے۔

اسلامی علم کائنات براہِ راست قرآنی تعلیمات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ماخوذ علم مابعد الطبیعات سے حاصل ہوا ہے۔ یہ طبعی علوم کی تعمیم نہیں ، نہ ہی ارضی طبیعات کا مرئی کائنات پر اطلاق ہے اس کا تعلق جدید معنوں میں علم کائنات سے بہت کم ہے۔ اسلامی علم کائنات کے پیش نظر اس میں شکل پیش کرنا ہے جو انسان کو مرئی دنیا کے پار

حیات کے ارفع مدارج کی بصیرت دے اور ایک ایسی کائناتی دنیا پیش کرنا ہے جو انسان کو آفاق تک پہنچنے کا زینہ مہیا کرتی ہے۔ کائنات کی ابتداء بیک وقت وجود، وجداد اور وجد سے اور یہ خواص کائنات کے رگ و ریشے میں رواں دواں ہیں۔ کیونکہ کائنات خدا تعالیٰ کا مظہر ہے مروجہ علم کائنات اس عالم کے اس مثبت پہلو کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ مابعد طبیعاتی اصول اور ایقان کے موزوں طریقوں سے علم کائنات اس شعور اور تجربے سے روشناس کراتا ہے جو بہشت بریں سے ہمکنار کرتا ہے۔

اسلامی تہذیب میں اپنا کردار نبھانے کے لئے اسلامی علم کائنات نے مختلف علامات کا سہارا لیا ہے۔ اور سا کے سامنے مختلف راستے تھے جن پر چل کر مقصد حاصل کیا گیا۔ یہ ایک قدرتی امر تھا کیونکہ اسلام ایک آفاقی دین ہے اور دنیا کے مختلف رنگ و نسل اور تہذیب کے افراد کے لئے ایک ضابطۂ حیات کی شکل میں آیا ہے۔ علم کائنات کی جملہ اقسام میں مقصد ایک ہی رہا ہے یعنی کائنات اور اس کے مختلف اجزاء کو ایقان میں تبدیل کر کے وحدت کو انعکاس کے ذریعے کثرت میں ظاہر کرنا ہے ایک ایسی کائنات میں جس کا نقشہ الہام کے مطابق ہے اور جس میں جبریل اترتا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کا شرف حاصل ہوتا ہے اسلامی علم کائنات نے قرآنی علامات صوفیائے کرام کی علامات اور خود قرآن وحدیث سے ماخوذ ہیں اور مروجہ فلکیات بھی سے خوش چینی ہے چنانچہ اسلامی ...... مختلف النوع نظریات کا حامل ہے مگر یہ سب ایک باطن نظریے کے حامل ہیں۔ اسلامی علم کائنات کا مفہوم ایک ہی رہا ہے یعنی کثرت کو وحدت سے، وجود کو ذات سے اور ایک سطح پر حیات کو اعلیٰ سطح سے منسلک کرتے ہوئے بالآخر اسمائے حسنیٰ اور اوصاف حمیدہ سے متعلق کرتے ہوئے جملہ کائناتی مظاہر کو آخرت سے تعبیر کرنے سے متصف ہے۔

اسلامی کونیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عرش معلیٰ تک معراج کا واقعہ مرکزی نوعیت کا حامل ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کائنات میں کل مثبت اجزاء کا مظہر ہیں اور معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کائنات کی اپنے منبع کی جانب رجعت، روحانی زندگی کا نمونہ اور کائنات کی تحدید کا مظہر ہے اور جملہ اسلامی علم کائنات کا ایک نمونہ ہے۔

مسلمان علماء نے اسلامی علم کائنات کو مختلف انداز سے پیش کیا ہے بعض اوقات صرف قرآنی علم الملائکہ کے استعمال سے بعض اوقات اپنی تحریروں میں اسلامی تعلیمات کے مطابق دوسرے کائناتی علوم سے استفادہ کرتے ہوئے یہ انداز خاص طور پر ابن عربی کی تحریروں میں ملتا ہے جس کا علم ایک ایسا بحر تھا جس میں فیثا غورسی، افلاطون اور ارسطو طالسی ندیاں مل کر اسلامی نظریات سے ہم آہنگ نظر آتی ہیں اس کی تحریروں میں عربی ابجد یک علامات، علم النجوم، علم الاعداد اور اسمائے حسنیٰ کی علامات یکجا ملتی ہے۔

علم کائنات اس عالم کی ساخت اور علم ترکیب کائنات کے بیرونی ہیئت اور تفصیل سے متعلق ہے اسلامی دور میں علم کائنات پر مبنی علم ترکیب کائنات کے مختلف نمونے مرتب ہوئے۔ ان میں سے ایک مکتب فکر عجائب الخلوقات، کے زمرہ میں اپنی تحریریں پیش کرتا ہے، اس مکتب فکر میں علماء میں ابو یحییٰ ذکریا القزوینی نمایاں حیثیت کا حامل ہے ان کی تحریریں دنیائے ملائکہ سے شروع ہوکر پودوں اور معدنیات تک آتی ہیں۔ ان میں دیو مالا کا رابطہ سائنسی توضیحات سے ملتا ہے، ان تحریروں نے ...... نقش و نگار کے لئے پس منظر کا کام دیا ہے۔ البیروتی اور قطب الدین شیرازی کی علم ترکیب کائنات پر تحریریں کہیں زیادہ سائنسی نوعیت کی ہیں یہ اسلام کے مروجہ علم کائنات کی حدود میں رہتے ہوئے علم الافلاک اور طبیعات سے زیادہ قریب ہیں۔

اسلامی علم کائنات ترکیب کائنات اپنی مختلف اشکال کے باوصف مختلف اسلامی سائنسی علوم جغرافیہ سے کیمیا تک کے لئے پس منظر کا کام دیتی ہیں۔ان کے ذریعے مخصوص سائنسی علوم کا اسلامی تعلیمات سے رابطہ ممکن ہوا ہے۔ان کے ذریعے اسلامی مربوط تہذیب کی وحدت کو ٹھیس پہنچائے بغیر انسان اور اس کے قدرتی کائناتی ماحول میں آہنگی کو متاثر کئے بغیر مختلف سائنسوں کی ترقی عمل میں آئی۔

علم نجوم

مطالعۂ کائنات سے چونکہ علم الافلاک کا گہرا تعلق تھا اس لئے مسلمانوں کے ہاں علم نجوم یا فلکیات سے انسانی قسمت کے تعلق نے جنم لیا۔دراصل یہ بھی کوئی نیا علم نہیں تھا۔بطلیموس مصر میں پہلے سے رائج تھا مسلمانوں نے اسے مشیت ایزدی جاننے کا نام دیا۔چونکہ قرآن حکیم میں واضح طور پر اس بات کے بارے میں آچکا تھا اس لئے پوری اسلامی تاریخ میں مسلمان علمائے دین علم نجوم کی مخالفت کرتے ہی نظر آتے ہیں تاہم ایک طرف عوام الناس دوسری طرف سلاطین اس کے......اور طلب گار تھے چونکہ دیگر سری علوم کی طرح اس علم کی مابعدالطبیعاتی بنیادیں بھی کم ہو چکی ہیں۔اس لئے آج یہ محض توہمات کے مجموعیت کے سوا کچھ بھی نہیں۔لیکن تاریخ اسلام میں البیرونی اور نصرالدین طوسی جیسے پائے کے ریاضی دان ایسا کرتے رہے اس کا ایک جواب تو بالکل اسی طرح ہے جیسے آج کا جدید انسان سائنسی اصولو پر تہذیب کی اٹھان رکھنے کے باوجود پامسٹری نجوم اور دوسرے ایسے توہمات کا شکار ہے مغرب میں جتنی کتابیں علوم سری پر شائع ہوئی ہیں اتنی باقی علوم پر شائع نہیں ہوئیں۔مسلمان مفکرین زیادہ تر علوم نجوم کی طرف کونیات یا مطالع کائنات کے باعث رجوع کرتے تھے لیکن اکثر نے پیش گوئیاں کرنے سے اجتناب کیا ہے۔البیرونی جیسے مصنفین نے تو اس بات کی باقاعدہ وضاحت کی ہے کہ نجومانہ پیش گوئیاں کیوں نہیں کی جاسکتیں۔تاہم اس کے باوجود زائچے بنائے جاتے تھے۔ماشاءاللہ اور ابو معشر بلخی جیسے ماہرین اس کام کے لئے مشہور ہیں چونکہ حکمران بھی اپنے ہاں نجومیوں کو ملازم رکھتے تھے۔اس لئے البیرونی کو محمود غزنوی اور نصرالدین کو ہلاکو خان کے لئے زائچ بنانا پڑتے تھے۔

جہاں تک کونیات اور نجوم کا تعلق ہے،ابن سینا،سہر وردی،فخرالدین رازی اور ایسے دیگر مکاتب فکر کے علماء کے ہاں ایسی مابعدالطبیعاتی تحریریں ملتی ہیں۔دوسری طرف پیش گوئیاں کرنے میں علم نجوم کی تین شاخیں ہو چکی تھیں۔سوالات (مسائل) جو زندگی اور انسانی افعال سے متعلق تھے اختیارات،ایسے سعد لمحات کا تعین کرنا،جب انسان اپنے کام کا انتظار کرے اور کسی شخص کے مستقبل کے بارے میں سب کچھ بتانا۔

علمائے دین کی مخالفت کے باوجود اسلامی تہذیب وتمدن میں علم نجوم نے خاصا کردار ادا کیا ہے۔فلکیات پر لکھی جانے والی بہت سی کتابوں میں علم نجوم سے متعلق جزئیات اور ابواب موجود ہیں۔تاہم اس کی علمی افادیت محض علامتی حد تک رہی ہے جو تلاش حقیقت میں ممد ومعاون ہو سکے۔

دیگر علوم سری

مطالعہ کائنات کا دوسرا قدم ارضی تھا یعنی کیمیا گری ادنیٰ دھاتوں کو سونا بنانے کی کوشش کرنا لیکن دراصل یہ بھی اسی کونیات کا حصہ تھی۔بابل،فارس،مصر،سکندریہ سے حاصل کردہ علوم کو مسلمانوں نے دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ایک خفیہ (پراسرار اور سری علوم) اور دوسرے (جیسے ظاہری علوم) مثلاً۔طبیعات،ریاضی وغیرہ خفیہ یا سری علوم کو حسین علی واعظ

الکاشفی کی زبان میں ہم پانچ ذیلی علوم میں تقسیم کر سکتے ہیں۔
(۱) کیمیا (کیمیاگری) (۲) کیمیا (جادوگری) (۳) ہیمیات (روحانیات) (۴) سیما (بصیرت یا فراست) (۵) ریمیا (شعبدہ بازی اور کمالات) ان تمام علوم کے ابتدائی حروف مل کر "کلہ سر" تشکیل کرتے ہیں جس کا مطلب ہے

شیخ بہاؤالدین العاملی نے بھی اس تقسیم کو تسلیم کیا ہے۔ ان علوم میں سے علم حضرت مسلمانوں میں زیادہ مقبول رہا ہے جس میں عربی حروف ابجد کی قیمتیں متعین کر کے مستقبل بینی کی جاتی تھی کہا جاتا ہے کہ اس علم کا آغاز حضرت علی ابن ابی طالبؓ نے کیا اس کی وسعت قرآن کے حروف مقطعات کی تشریح سے لے کر آج روحانی الفاظ اور منتروں تک کی محیط ہے۔

اسی طرح علم رمل ہے جسے حضرت دانیالؑ سے منسوب کیا جاتا ہے۔ شروع میں مٹی یا ریت کی چوکور گوٹیاں بنائی جاتی تھیں۔ اس کے چھ کے چھ اطراف میں ایک سے چھ تک دائرے یا نقاط لگا دیئے جاتے ہیں انہیں ایک شخص ہاتھ میں لیکر پھینکتا ہے اور سامنے آنے والے نقاط کو گن لیا جاتا ہے (آج کل یہ طریقہ ولڈو کھیلنے میں استعمال ہوتا ہے) اور اس سے پیش گوئی کی جاتی تھی۔

دوسری سری علوم میں علم الفراست قابل ذکر ہے۔ فخر الدین رازی نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی تھی، اس میں خوابوں کی تعبیر ہے (حضرت یوسف علیہ السلام سے منسوب ہے) جو فلسفیوں اور صوفیوں کے نزدیک یکساں اہمیت رکھتی تھی (بارھویں صدی ہجری/اٹھارھویں صدی عیسوی میں صوفی عبدالغنی النابلوسی نے بھی اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے) اور تمام اقسام کے سحر اور عملیات جس کا علم جفر کے ساتھ گہرا ربط تھا۔ اور اس میں دیگر اوہام اور شگون وغیرہ کا تعلق تھا، مثلاً جسم کے کسی حصے کے پھڑکنے سے کیا پیش آئے گا۔ وغیرہ۔ اسے اختلاج کہتے تھے۔

ان سری علوم کی اپنی علامتیں اور زبان ہے جن کی تشریح بے حد مشکل ہے یہ کونیاتی اصولوں پر مبنی ہیں چونکہ ان تمام علوم کی مابعد الطبیعاتی بنیادیں عرصہ ہوا گم ہو چکی ہیں۔ اس لئے ان پر مہارت تقریباً ناممکن ہو چکی ہے۔ آج کے دور میں یہ علوم محض توہمات کی علامت بن کر رہ گئے ہیں۔ علم سائنس کی روشنی نے ان تمام علوم کو اندھیرے کی طرف پھینک دیا ہے اور اب ان کی ترویج کا کام محض تاریکی اور ظلمت میں اضافہ کرنے کے اور کچھ نہیں ہوگا۔

☆☆☆

اپیل

علمائے مداریہ بورڈ شاخ بریلی شریف

ہر طرح کے دینی، ملّی اور فقہی مسائل اکابر بزرگان دین کی تاریخی معلومات اور علمی وادبی کارگزاریوں کے لئے ہم سے رابطہ قائم کریں۔

مفتی خوشنود خاں مداری

جنرل سکریٹری، علمائے مداریہ بورڈ شاخ بریلی شریف

موبائل نمبر:9639512991

قطب کوکن، عارف باللہ ولی کامل

حضرت امان اللہ حضوری شاہ رحمۃ اللہ علیہ

الحاج ڈاکٹر سید مقتدا حسین جعفری

خادم۔ خانقاہ عالیہ مداریہ مکن پور شریف

موبائل نمبر:9956677119

ہمارا ملک ہندوستان اگر ایک طرف رہبانیت اور لادینیت کی آماج گاہ ہے تو وہیں دوسری طرف اس کی تاریخ کی پیشانی پر بزرگان دین اور اولیائے کاملین کی کرم فرمائیوں کی ایسی جلوہ گری نظر آتی ہے جس کی وجہ سے یہاں کی ہر دیرینہ اور پارینہ روایات آج تک محفوظ و مامون ہیں۔ اس ملک کے ہر حصہ ارضی پر خدا رسیدہ بزرگوں اور اولیاء اللہ کی وہ عظیم القدر خدمات موجود ہیں جن کی وجہ سے یہاں زندگی اور بندگی کی جلوہ گری دکھائی دیتی۔ اس سرسبز و شاداب ملک میں پرندوں کی نغمہ سرائی، درخت پھول اور پھلوں کی دلنواز کیفیات، آبشار اور جھرنوں کی خوبصورتی، دریا اور پہاڑوں کے قدرتی مناظر یہ سب اگر خالق کائنات کی قدرتِ کاملہ کا مظہر ہیں تو دوسری طرف بزرگان دین کی خانقاہوں پر لگنے والا انسانوں کا ہجوم اس ملک کی قدیم روایات اور شان و شوکت میں دوبالگی عطا کرتا ہے۔

ہندوستان کی صنعتی راجدھانی شہر بمبئی جس کو قدیم زمانہ میں ''کوکن'' کہا جاتا تھا، بزرگان دین کی آمد اور سکونت کا مرکز رہا ہے کیوں کہ عرب کے علائق سے ہندوستان آنے والے لوگ بحری سفر کیلئے بمبئی ہوکر ہی ہندوستان آتے اور یہاں سے ملک کے دوسرے حصوں میں تبلیغ دین متین کے لئے سفر فرماتے تھے۔

بارہویں صدی ہجری کا زمانہ علاقہ کوکن کے لئے ایک نہایت انقلابی دور تھا۔ ایک طرف حکمرانوں کی جنگوں اور نئے نئے فرامین سے لوگ تنگ آچکے تھے دوسری طرف اقتصادی مشکلات کی پریشانیاں دامن گیر تھیں۔ ہر شخص ذہنی سکون اور روحانی تسکین کے لئے اللہ والوں کی چوکھٹ کا متلاشی دکھائی دیتا تھا۔ علاقہ کوکن جہاں راجہ ''نل'' کی حکومت تھی اور وہ اپنی رعایا کو سہولتیں فراہم کرنے سے دور رہتا تھا اور ابراہیم عادل شاہ ثانی جو کہ بیجاپور پر حکومت کرتا تھا کوکن کے زرخیز علاقوں میں اپنا قبضہ جمانے اور حکومت قائم کرنے کے لئے ہمہ وقت کوشاں تھا۔ اسی زمانے میں اللہ کے ایک برگزیدہ

بندے نے اس علاقہ پر اپنے قدم رنجہ فرمادیے تھے۔اور آنے والے بزرگ کے ساتھ ان کے مریدین وخلفاء میں بھی بڑی بڑی عظیم شخصیات شامل تھیں۔یہ خدا رسیدہ بزرگ حضرت سید عبدالرحمٰن عرف حاجی ملنگ تھے جو سلسلہ عالیہ مداریہ کے مشائخ اور خلفائے مداریہ میں بہت بڑے مقام کے حامل ہیں۔

تمام تاریخیں شاہد ہیں کہ حضرت حاجی ملنگ رحمۃ اللہ علیہ نے علاقہ کوکن میں دین متین کی خدمات جلیلہ اور سلسلہ عالیہ مداریہ کی تبلیغ واشاعت کے جو کارہائے نمایاں انجام دیے وہ صبح قیامت تک قائم ودائم رہیں گے نیز یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔حضرت حاجی ملنگ رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین وخلفاء میں ایک نام ایسا بھی شامل ہے جن کے تقویٰ وطہارت، علم وعمل اور اوصاف حمیدہ کی شہرت علاقہ بھر کے لوگوں پر راج کررہی تھی، یہ صاحب تصوف اور نیک سیرت بزرگ تھے حضرت امان اللہ شاہ عرف حضوری شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت حضوری شاہ رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ سے تشریف لائے تھے۔جب ہندوستان آئے تو سب سے پہلے کوکن یعنی مہاراشٹر کے علاقہ میں آئے اس وقت یہاں حاجی سید عبدالرحمٰن عرف حاجی ملنگ کی ولایت کا ڈنکا بج رہا تھا۔حاجی ملنگ رحمۃ اللہ علیہ کی محفل میں بڑے بڑے جلیل القدر صوفیائے کرام شریک رہتے تھے۔حضرت حضوری شاہؒ ایک دن انہیں صوفیائے کرام کے ساتھ حضرت حاجی ملنگ کی محفل میں شریک ہوئے۔

تحریر کیا گیا ہے کہ جیسے ہی حاجی ملنگ کی نظر حضرت حضوری شاہؒ پر پڑی حضوری شاہؒ کے دل کی دنیا بدل گئی جو فکر لیکر آئے تھے وہ ایک ہی نظر میں پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی۔حضرت حاجی ملنگؒ نے ان کو اپنے پاس بلاکر سلسلہ عالیہ مداریہ کے نہایت گراں قدر معمولات سے نوازا اور کچھ خاص ہدایات دیکر آپ کی دلبستگی فرمائی۔

حضرت حضوری شاہؒ کے بے حد اصرار پر حضرت حاجی ملنگؒ نے ان کو اپنے حلقہ ارادت میں داخل فرمالیا اور تاحیات فرائض کی پابندی، اسلام کی تبلیغ واشاعت اور سلسلہ عالیہ مداریہ کی خدمات میں لگے رہنے کی تاکید فرماکر تمام تر نعمات باطنی سے سرفراز فرمادیا۔

حضرت حضوری شاہؒ اپنے مرشد گرامی سے اجازت حاصل کرکے قریب ہی ایک بیابان اور ویران جنگل میں خالق کائنات کی عبادت وریاضت میں مشغول ہوگئے۔کہتے ہیں کہ مرشد پاک کی نگاہ کریمانہ سے جلد ہی راہ سلوک کی منازل کی طرف گامزن ہوگئے۔جس جنگل میں آپ نے عبادت وریاضت فرمائی آج وہی جگہ آپ کے ہی نام سے موسوم ہے۔آپ ہمہ وقت اسی ویران جنگل میں حاضر رہتے تھے آپ کے ایک ہی مقام پر حاضر بنے رہنے کی وجہ سے لوگ آپ کو حضوری شاہ کہہ کر بلانے لگے۔آہستہ آہستہ یہ لقب ان کے نام کا حصہ بن گیا۔تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت حضوری شاہؒ جس طرح اپنی ظاہری حیات میں اس ویران جنگل میں حاضر رہا کرتے تھے اسی طرح رحلت فرمانے کے بعد بھی لوگوں نے آپ کو اسی جنگل میں ٹہلتے اور لوگوں کی حاجت روائی کرتے دیکھا۔بغیر تفریق مذہب وملت لاکھوں بندگان خدا کو حضوری شاہؒ کے دربار گہربار سے استفادہ ہوا۔آج بھی لوگ مرادیں لیکر جاتے ہیں اور اس ولی کامل کی بارگاہ سے دامن مراد کو بھر کر لوٹتے ہیں۔

خانقاہ عالیہ مداریہ مکن پور شریف کی قدیم لائبریری میں ایک قلمی نسخہ ''کتاب جواہر خمسہ'' نظر نواز ہوئی اس کتاب کے صفحہ ۵۵ پر حضرت امان اللہ شاہ الملقب حضوری شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ کے تعلق سے ایک نہایت تحقیقی تحریر حاصل

ہوئی۔ اس تحریر سے حضرت حضوری شاہؒ کی حیات، سیرت وسوانح پر مکمل روشنی پڑتی ہے اور ہم کو ایک تاریخی معلومات فراہم ہوتی ہے۔ ہم ''کتاب جواہر خمسہ'' (قلمی نسخہ) کی تحریر کو انہیں الفاظ کے ساتھ تحریر کر رہے ہیں:

''ذکر حضرت امان اللہ شاہ الملقب حضوری شاہ رحمۃ اللہ علیہ''

یہ بزرگ کشف وکرامت میں یکتائے زمانہ تھے، شاہد ہیں کتب ہائے معتبرہ حضرت حضوری شاہؒ علاقہ کوکن کے قطب ہیں، حضرت عبدالرحمٰن حاجی ملنگؒ سے سلسلہ عالیہ مداریہ میں اجازت وخلافت حاصل ہے۔ ایک روز پیرومرشد نے حکم فرمایا کہ راہ سلوک میں منزل مقصود کے حصول کے لئے حضرت برہان العارفین سیدنا سید بدیع الدین قطب المدار رضی اللہ عنہ وملاقات حضرت سید تاج محمود رحمۃ اللہ علیہ کرد۔ بعد از لقاء صحبت سید تاج محمود کہ امان اللہ شاہ تم روانگی کرو علاقہ کوکن کے لئے اور تبلیغ اسلام کرو، حق حیات حقیقی ادا کرو، رضا حاصل کرو اللہ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر تکمیل کیلئے حضرت حضوری شاہؒ روانہ ہوئے علاقہ کوکن اور وہاں بنایا اپنا مسکن اور فرمانے لگے تبلیغ اسلام، لاکھوں بندگان خدا مستفیض ومستفید ہوئے۔ ہنوز بعد وفات بھی یہ سلسلہ جاری وساری ہے۔

وصال دوازدہم ۱۱۲۴ھ جائے مدفن علاقہ کوکن''

ان تاریخی روایات سے حضرت حضوری شاہؒ کی سیر و سوانح کو روز روشن کی طرح دیکھا جاسکتا ہے۔ کچھ لوگوں نے اس بات کو بھی مشہور کیا ہے کہ حضوری شاہؒ کسی غیر مسلم راجا سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے، اور دلیل کے طور پر بتاتے ہیں کہ حضوری شاہؒ کے مزار شریف کے آس پاس اور قرب وجوار میں بہت سے شہداء کے مزارات ہیں۔ مگر ان روایات کی کوئی تاریخی حقیقت نہیں ہے کیوں کہ کسی تاریخ میں نہیں ہے کہ حضرت حاجی ملنگ یا ان کے مرید وخلفاء نے کسی راجا سے جنگ کی ہو۔ بلکہ ان خدارسیدہ بزرگوں نے پوری انسانیت کی خدمت میں اپنی زندگیاں گزار دی تھیں۔ اسی لئے شواجی جو مراٹھا راجا کی حیثیت سے حکومت کرتا تھا اس نے بھی ان بزرگوں کے مزارات کے نام جو زمینیں اور جائیداد وقف تھیں ان کو باقی رکھا تھا اور مزارات کی دیکھ بھال کے لئے اپنی رعایا کو تاکید کیا کرتا تھا۔

''تاریخ آج بھی زندہ ہے''

آیئے ہم اس علاقہ کی تاریخی حقیقتوں پر نظر ڈالتے ہیں۔ حضرت سید عبدالرحمٰن عرف حاجی ملنگؒ کے اس علاقہ میں تشریف لانے سے تقریباً 400 برس پہلے شہنشاہ ولایت فردالافراد قطب الارشاد سید بدیع الدین قطب المدار رضی اللہ تعالیٰ عنہ مذہب اسلام کی تبلیغ اور نشرواشاعت کا پرچم لہرا چکے تھے۔ حضور مدارالعالمین نے کوکن کے اس علاقہ میں سات مقامات پر چلہ کشی فرمائی تھی۔ قطب المدارؒ کے ان چلوں کو درگاہوں کی شکل میں تشکیل دیا گیا تھا۔ جن میں نل بازار، کلیان، جوگیشوری، ماہم وغیرہ کے چلوں پر قطب المدار کے میلے سیکڑوں برس سے لگتے آرہے ہیں انہیں چلوں میں کلیان میں قطب المدار کا چلہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت حضوری شاہؒ کی کوکن آمد سے سیکڑوں برس قبل یہاں اسلام کی شمع روشن ہو چکی تھی۔

حضرت حضوری شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ شریف کی مقبولیت

کاعالم یہ تھا کہ 1867ء تک مہاراشٹر کی جانب سے درگاہ شریف کی صاف صفائی اور نگہداشت کے لئے گرانٹ دی جاتی تھی۔ تاریخی مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مظفر شاہی دور میں میمن ہیگوہ کے زمانہ میں یہ خانقاہ موجود تھی۔ تاریخ کی مشہور کتاب ''تاریخ کوکن'' میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ حضوری شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال مبارک: قلمی نسخہ ''جواہر خمسہ'' اور دیگر کتب معتبرہ میں ذکر ملتا ہے کہ حضرت حضوری شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ۱۲ر رجب ۱۱۲۴ھ کو ہوا تھا۔ حضوری شاہؒ کا شجرہ (رشدی) اس طرح سے ہے:

شہنشاہ اولیائے کبار سید بدیع الدین قطب المدار

ولی کامل حضور سید جمال الدین جانمن جنتی

حضرت شاہ الاہ داد آتشیؒ

حضرت شاہ شہبازؒ

حضرت شاہ پیر مائی پوتؒ

حضرت حاجی سید عبدالرحمٰن حاجی ملنگؒ

حضرت امان اللہ شاہ عرف حضوری شاہؒ

حضور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات

آپ ایک ایسے خدا رسیدہ بزرگ اور ولی کامل ہیں جو بیابان جنگل میں بھی اللہ کی مخلوق کی خدمات کے گہر اور خزانے لٹاتے رہے اور آپ کی کرم فرمائیوں سے بے آب وگیاہ زمین بھی سرسبز وشاداب بن گئی تھی۔ تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ کی خانقاہ کی صفائی میں ہاتھی اور شیر کو بھی خدمت کرتے دیکھا گیا۔ لکھا ہے کہ ہاتھی اور سونڈھ اور شیر اپنی دم سے درگاہ کی صفائی کرتے نظر آتے تھے۔

تاریخ میں لکھا ہے کہ اس جگہ پر ایک نالا تھا بڑا سا، کیوں کہ پہاڑ سے جو پانی بہہ کر آتا تھا اس نے نالے کی شکل اختیار کر رکھی تھی۔ پہاڑ سے آنے والا پانی اپنے ساتھ سب کچھ بہالے جاتا تھا۔ نالے میں باڑھ آجایا کرتی تھی اور دور دراز تک کے لوگ اس سے اثر انداز ہوتے تھے مگر جب سے حضوری شاہ رحمۃ اللہ علیہ اس مقام پر آرام فرما رہے ہیں آج تک نالے میں باڑھ نہیں آئی ہے۔

آستانہ حضوری شاہؒ کے خادم اور مجاور خاص جناب محمد انیس صاحب نے بتایا کہ میں برسوں سے اس خانقاہ شریف کی خدمت میں لگا ہوا ہوں، میری آنکھیں روزانہ اس امر کا مشاہدہ کرتی ہیں کہ جو بھی حاجت مند یہاں اپنے دامن کو پھیلاتا ہے اسکو کبھی ناکام ہوکر جاتے نہیں دیکھا۔ الحاج ڈاکٹر سید مقتدا حسین

ہمارا اگلا شمارہ

شہنشاہ اولیائے کبار سید بدیع الدین قطب المدار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

یوم ولادت

یعنی یکم شوال المکرم ۱۴۴۲ھ کے تعلق سے خصوصی شمارہ شائع ہوگا

ادارہ "رہبر نور" یوم ولادت قطب المدار کی مبارک باد پیش کرتا ھے

QUARTERLY URDU
RAHBARE NOOR
MAKANPUR SHARIF, KANPUR
R.N.I.No. UPURD/054331/1347785/2019
L-POST REGISTRATION
"RAHBARE NOOR" K.P.(M.) /007/2021-23
MAKANPUR SHARIF, KANPUR, INDIA PINCODE-209202

گزشتہ آٹھ برس کی مضبوط ریسرچ اور تحقیق ہنیت اور خانقاہی نظام زندگی کا شاہکار، اہل تصوف اور اکابر اولیائے کرام کی انوکھی تاریخ جو آپ کو معلومات کے نیئے خزانے عطا کردے گی۔

ہم لا رہے ہیں ایک ایسی تاریخی دستاویز جو صدیوں تک اہل علم و دانش کیلئے مشعل راہ بن کر زندہ رہے گی۔

تاریخ مکن پور شریف
اور
مشائخ سلسلہ عالیہ مداریہ

596
دیدہ زیب صفحات
20x30
08
کا عمدہ سائز

قیمت 838 روپے رنگین اور مضبوط جلد رنگین کے ساتھ

242
تحقیقی و تاریخی
مضامین

CHIEF EDITOR
ABUL MASHARAB
SYED MUQTIDA HUSAIN JAFRI

H.O.: P.O. Makanpur Sharif, Kanpur Nagar, India- 209202
Please Contact us: 995667119, 8737967832
6394344966, 9760422993, 8840701867

Al-Madaar Offset Kanpu
Mob.: 8795601301, 9616584408